الہدیٰ

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

Marfat.com

Marfat.com

الہدیٰ

مصنّف

صاحبزادہ سیّد خورشید گیلانی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور —— کراچی ○ پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	الہدیٰ
مصنف	صاحبزادہ سید خورشید گیلانی
تعداد	ایک ہزار
اشاعت	مئی 2001ء
ناشر	ضیاءالقرآن پبلی کیشنز
قیمت	120/- روپے

ملنے کے پتے

ضیاءالقرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔042-7238010

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی۔

فون:۔021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

Green Dome International Ltd.

148-164 Gregory Boulevard, Nottingham. NG7 5JE U.K.

Tel:- 0115-911 7222 Fax:- 0115-911 7220

Marfat.com

فہرست

پیش گفتار — ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

جوہر علم	7
عدل نہیں فضل	10
ایمان اور استقامت	12
یہ قیمت اور اتنی نخوت؟	15
ذہانت اور عبرت	18
بڑے لوگوں کی بڑی باتیں	21
یتیم پروری	24
بہترین لائحہ عمل	27
غور طلب	29
آئین جوانمرداں	32
روزہ اور اسلام کا ترغیبی رویہ	35
بے نیازی	37
احساس ندامت اور حسن نیت	39
قانون کی بالادستی	41
استقبال رمضان	44
یہ لوگ بھی غضب تھے	47
دوپٹہ فریادی ہے	50
حکیم لقمان کا انداز تشکر	53
روزہ	56
نہ ترک دنیا نہ غرق دنیا	58
حکمت و دانش	60
خون شاہ رنگین تر از معمار نیست	63
روپ، بہروپ	66
عجائب پرستی	69
خدا کی بندگی اور شاہ کی نوکری	72
رب کیسے ملتا ہے؟	75
تخت دنیا اور طلب خدا؟	77
لمحہ قبولیت	80
ماہ رمضان کے تاریخی امتیازات	82
سلیمانؑ وقت کی ضرورت	85
حسن معاشرت	88
بیٹی	91
خدا اور بندے کا حق	94
چار حکیمانہ سوال و جواب	97
عالمانہ وقار	100
ماں	103

Marfat.com

پندار دولت 106
غرور اقتدار 109
بعد از مرگ واویلا 112
پیکر جرات 115
خدا پرستی 118
قرآن حکیم 121
لقمان کی نصیحت 124
اللہ کے بندے 126
نبی اور فلسفی میں فرق 128
حکمت پارے 131
حقیقت علم 133
ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو 136
منشور انسانیت 141
ضبط نفس 146
رونا چھوڑو جینا سیکھو 148
دعوت فکر 150
اعتراف حقیقت 153
داستان عزیمت 155
نوحہ ابوجہل 157
پیغام اور کردار کی طاقت 160
اسلام کی شان اعتدال 165
ایثار واخلاص کی برکت 171
حکام وعمال کے نام ہدایات 176
میراث حکمت 178
سید ہجویریؒ کا نظریہ فقر وتصوف 184
خدا اور بندہ 188
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ خلافت 190
حضرت عمرؓ کا خطبہ خلافت 194
حضرت عثمانؓ کا خطبہ خلافت 195
حضرت علیؓ کا خطبہ خلافت 199
بعثت سے قبل انسانی معاشرہ 202
اطاعت واستقامت 206
اسلام اور عظمت بشر 212
ہوس زر 214

Marfat.com

پیش گفتار

''الہدیٰ'' ہمارے عزیز دوست، راسخ قدم قلمکار، خوش گفتار، خوش کردار ادیب اور صحافی جناب سید خورشید گیلانی کی ان شاہکار تحریروں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے مختلف اوقات و ادوار میں قومی صحافت کے نمائندہ جرائد خصوصاً روزنامہ ''انصاف'' کے لئے اسلامی موضوعات پر لکھے تھے، ہیں تو یہ اخباری کالم مگر گیلانی صاحب کے زور قلم نے ان متنوع موضوعات سے متعلق مختصر العمر کالموں کو بھی حیات جاوداں عطا کر دی ہے۔ یہ جہاں مستند معلومات کے انمول خزانے ہیں وہاں ان کے اسلوب نگارش اور انداز بیان کی کشش اور روانی نے انہیں اکسیر کی سی تاثیر عطا کر دی ہے۔

سید خورشید گیلانی کو اللہ تعالیٰ نے وسیع علم و معرفت سے بھی نوازا ہے اور فکر صائبہ کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ وہ ''قلم برداشتہ'' جس موضوع پر لکھتے ہیں اس کے نہ صرف یہ کہ تمام نشیب و فراز کی نشاندہی کر دیتے ہیں اور ہر پہلو پر نظر ڈالتے ہیں بلکہ معلومات کا ایک وسیع سمندر الفاظ کے زوردار تلاطم کے ساتھ اُمڈتا دکھائی دیتا ہے، نوک قلم کی کاٹ اور الفاظ کی پرکشش و پرزور بندش ان کے مؤثر انداز نگارش کو قوت تاثیر عطا کرتی ہے، یہ بات کوئی مبالغہ نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے کہ خورشید گیلانی نثر میں شاعری کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ان کی یہ نگارشات بار بار پڑھے جانے کا تقاضا کرتی ہیں اور اپنے اندر ایک دعوت، ایک تحریک اور ایک پیغام لئے ہوئے ہیں اس لئے یہ زندہ جاوید ہیں!

کہتے ہیں کہ شاعری کی دیوی اور نثر نگاری کی شہزادی کسی ایک شخص کے تصرف میں آنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتیں۔ دونوں میں سوتنوں کا سا بیر اور منافرت ہے لیکن خطابت لسانی اور زور قلم بھی بیک وقت کم لوگوں کے حصے میں آتا ہے، نثر کے ساتھ

شاعری تو میں نے گیلانی صاحب کے پاس بھی نہیں دیکھی ہاں ان کی پرسوز و پرجوش خطابت سے لطف اندوز اور نثری نگارشات کا حظ اٹھانے کا تو بارہا موقع ملا ہے، جس شخص کا نام ''خورشید گیلانی'' ہے وہ ایک بے بدل خطیب بھی ہے اور منفرد اسلوب نگارش کا مالک ادیب بھی، خوش قسمتی سے اسلام اور اہل اسلام کا دفاع اور اصلاح ان کا موضوع اور مطمح نظر ٹھہرا ہے، اس کام کو انہوں نے ہمیشہ بڑی خوبصورتی سے نبھایا ہے۔

سید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے سیرت وصورت کی خوبی سے تو نوازا ہی ہے مگر ان کے علم کی گہرائی و گیرائی، ان کے منفرد اسلوب کی کشش و رعنائی اور ان کے ضمیر کا اخلاص و پاکبازی بھی اپنا ایک مقام رکھتی ہے، مجھے ان کے ساتھ کئی بار شریک سفر ہونے کا موقع بھی ملا ہے، ان سے لین دین بھی رہا ہے اور ان کی باتیں اور خیالات سے بھی آگاہ ہوں اس لئے میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سید خورشید گیلانی ایک نیک مسلمان اور عظیم انسان کا نام ہے۔

وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے چند ایک کو پڑھنے کا مجھے بھی موقع ملا ہے، ''قلم برداشتہ'' کے عنوان سے ان کے ادیبانہ ومحققانہ کالموں کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے انہوں نے جو کالم اور مضامین لکھے ہیں وہ اس مجموعہ ''الہدیٰ'' میں شامل ہیں، امید ہی نہیں مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ اہل علم و دانش اور عامتہ المسلمین کے لئے بے حد مفید وکارآمد ثابت ہوگا، میری دلی دعا ہے کہ گیلانی صاحب صحت وسلامتی کے ساتھ اسی طرح ملک وملت اور انسانیت کی خدمت کرتے رہیں۔ ''ایں دعا از من واز جملہ عالم آمین باد''

بندۂ اخلاص

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

Marfat.com

جوہر علم

علم الفاظ و حروف کے گورکھ دھندے کا نام نہیں بلکہ شعور کا نام ہے، اس کا مقدار سے زیادہ معیار سے تعلق ہوتا ہے۔ بعض اوقات دنیا بھر کی لغات وہ کام نہیں دیتیں، جو ایک کام کی بات جلوہ دکھا جاتی ہے۔

اگر در خانہ کس است
یک حرف بس است

قرآن مجید اپنی ضخامت کے اعتبار سے بہت مختصر اور چھوٹی کتاب ہے جسے سات سال کا بچہ بھی بہ آسانی حفظ کر لیتا ہے لیکن دنیا بھر کی لائبریریاں اس کے سامنے ہیچ ہیں، اس لئے قرآن حکیم صرف علم نہیں ''جوہر علم'' کی بات کرتا ہے، دنیا جہان کی معلومات ایک طرف مگر ان سب پر قرآن مجید کی ساڑھے چھ ہزار آیات بھاری ہیں، جو بات زندگی کا سراغ عطا کر دے وہی علم ہے، جو جملہ زندگی کا عقدہ کھول دے وہی علم ہے، جو فقرہ دل و دماغ میں اجالا بھر دے وہی علم ہے، اور جو بول دنیا کا معمہ کھول دے وہی علم ہے، علم جہاں سے ملے، جیسے ملے اور جتنا ملے بس غنیمت ہی نہیں عظیم نعمت ہے، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کے نام سے کون سا اہل علم واقف نہیں، تفسیر، حدیث اور فقہ تینوں سرچشمہ ہائے علم پر عبور تھا اور ساتھ ہی عمل صالح کی دولت سے مالا مال، لیکن اس کے باوجود علم کی جستجو میں ہمہ وقت منہمک رہتے اور صحبت صالح کی تلاش میں مصروف، ایک بار آپ مال تجارت لے کر کسی جنگل سے گزر رہے تھے، ایک راہگیر لڑکے پر نظر پڑی، آپ کا احساس تھا کہ یہ لڑکا اور اس کی یہ عمر اور یوں آوارہ پھرے کچھ موزوں نہیں لگتا کاش یہ کسی مکتب کا طالب علم اور دنیا حرف و لفظ سے آشنا ہوتا، آپ نے اپنی سواری روک کر اس سے پوچھا: بیٹا یہ عمر بس دشت نوردی میں گزاری ہے

یا لوح وقلم سے بھی کبھی رشتہ جوڑا ہے؟

لڑکے نے قدرے متانت اور قدرے لجاجت سے کہا: ''یا شیخ بس چار باتیں سیکھی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان پر عمل ہو جائے تو زندگی اچھی بسر ہو جائے گی، مزید کی طلب نہیں''۔

آپ نے تجسس آمیز انداز میں پوچھا، بیٹے وہ چار باتیں کون سی ہیں؟ اس لڑکے کا انداز تکلم ایسا تھا کہ شیخ کو متاثر کر گیا، آپ اپنے تمام تر علم وفضل کے باوجود طالب علمانہ انداز میں اس سے پوچھ رہے تھے، یہی صاحبان کمال کا مزاج اور وصف ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ جستجو میں رہتے ہیں، اپنے آپ کو ''علامہ'' سمجھنے والے دراصل خود کو علم سے دور کر لیتے ہیں، خود کو ''شیخ و مرشد'' قرار دینے والے رشد وہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں، اور خود کو ''قادر الکلام'' کہنے والے حسن کلام سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں جب کہ سچا عالم، کھرا شیخ اور اچھا متکلم عمر بھر جوہر علم، نور ہدایت اور حسن کلام کی تلاش میں رہتا ہے۔ لڑکے نے شیخ عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا:

''مجھے چار باتوں کا علم حاصل ہوا ہے سر کا علم، کانوں کا علم، زبان کا علم اور دل کا علم'' آپ نے فرمایا بہت خوب مگر مجھے ان کا مفہوم بھی تو سمجھاؤ، تم نے بات تو مختصر کی لیکن لگتی بہت گہری ہے، لڑکا بولا:

''سر اللہ کے حضور جھکانے کے لئے ہے، کان اس کا کلام سننے کے لئے ہیں، زبان اس کا ذکر کرنے کے لئے ہے اور دل اس کی یاد کو بسانے کے لئے ہے''۔

شیخ ''یہ جواب سن کر عش عش کر اٹھے اور آپ نے فرمایا: بیٹا اب تمہیں کسی مکتب وخانقاہ میں جانے کی ضرورت نہیں تم نے جوہر علم کشید کر لیا ہے، جو ہم جیسے حرف ولفظ میں گم رہنے والوں کو نصیب نہیں ہوا، آپ نے فرمایا بیٹا اب مجھے کچھ نصیحت کرو، بزرگی عقل سے ہوتی ہے عمر سے نہیں، لڑکا کہنے لگا، ''حضرت، آپ مجھے بہت بڑے عالم معلوم ہوتے ہیں، میں کہاں اور آپ کو نصیحت کرنا کہاں؟ تاہم ایک گزارش ضرور کروں گا کہ اگر آپ نے علم اللہ کے لئے حاصل کیا ہے تو دنیا والوں سے کوئی امید نہ رکھیے اور اگر دنیا والوں کے لئے پڑھا ہے تو پھر اللہ سے اس کے اجر کی توقع نہ کیجئے،

Marfat.com

بس مجھے یہی کہنا تھا"۔

یہ سن کر شیخ عبداللہ بن مبارکؒ ورطہ حیرت میں گم ہو گئے کہ یہ عمر، یہ حلیہ اور یہ باتیں؟ سچ ہے علم اللہ کا نور ہے وہ جس دل میں چاہے اتار دے۔

OOOO

Marfat.com

عدل نہیں فضل

اگر تو معاملہ بندے کا بندوں کے ساتھ ہو تو اسے عدل کا مطالبہ زیب بھی دیتا ہے اور ایسا کرنا بھی چاہیے، لیکن معاملہ خدا کے ساتھ ہو تو پھر انسان کو اللہ سے ''عدل'' کا نہیں اس کے ''فضل'' کا طالب ہونا چاہیئے کیوں کہ عدل میزان کے دو پلڑوں کو برابر رکھنے کا نام ہے، میزان عدل دو انسانوں کے درمیان تو قائم ہو سکتی ہے اس لئے کہ وہ دونوں برابر ہیں، کبھی ایک سے غلطی ہو سکتی ہے اور کبھی دوسرے سے، مدعی اور ملزم بدلتے رہتے ہیں، ''حق دار'' اور ''حق مار'' کبھی ایک نہیں ہوتا، چنانچہ ان کا عدل کا مطالبہ اور ان کے درمیان عدل کا معاملہ عین تقاضائے عقل ہے، جب کہ خدا اور بندے کا تعلق اور معاملہ یکسر مختلف ہے، ایک وہ جو روز اول سے محسن ہے اور دوسرا وہ جو یوم ازل سے احسان مند ہے، محسن اور ممنون کے درمیان اگر میزان کھڑی ہو جائے تو احسان مند خسارے میں رہے گا، اگر خدا خود میزان عدل قائم فرما دے تو یہ بندے کی قسمت ہے وہ احتجاج نہیں کر سکتا لیکن اگر بندہ اپنے خدا سے اپنے معاملات میں عدل کا مطالبہ داغ دے تو یہ اس کی شومیٔ قسمت ہوگی، اللہ کے احسانات میں سے ایک احسان اتنا بھاری ہے کہ وہ میزان کے ایک پلڑے کو جھکائے رکھنے کے لئے کافی ہے خواہ دوسرے پلڑے میں کسی کی تہجد گزاری اور شب زندہ داری تو کجا خود جنیدؒ و بایزیدؒ کو بھی رکھ دیا جائے کوئی فرق نہیں پڑے گا، اسی احساس کے تحت حضرت علی المرتضیٰؓ ہمیشہ اپنی التجا میں کہتے تھے ''اے اللہ میرے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیرے شایان شان ہے نہ کہ وہ جس کا میں حقدار ہوں'' جہاں سرتاج اولیاء کا یہ عالم ہو ہما شما کا کیا مذکور؟ کوئی اپنے طویل قیام پر نازاں ہو تو اس سے پوچھا جائے یہ توفیق قیام کس نے عطا کی ہے؟ کسی کو اپنے سجدوں کے خشوع و خضوع پر گھمنڈ ہو تو اس سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ

تمہارے ماتھے کو کسی بت اور دیوی کے سامنے جھکنے کی ذلت سے کس نے بچایا ہے؟ کسی کو اپنی گریہ وزاری پر فخر ہے تو اسے باور کرایا جا سکتا ہے کہ اس لذت گریہ سے کس نے تمہیں آشنا کیا ہے؟ کسی کو اپنی جان قربان کرنے پر غرہ ہے تو اس سے یہ سوال ضرور کیا جائے کہ ٹھیک ہے تم نے جان دی مگر یہ تو بتاؤ یہ جان دی ہوئی کس کی تھی؟ اسے تو الٹا یہ کہنا چاہیے:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کوئی شخص 100 (سو) برس کی عمر پائے، اور اس کا ایک ایک پل عبادت و ریاضت میں صرف کر دے پھر بھی وہ عدل الٰہی کے معیار پر پورا نہیں اترتا اسے بہر حال فضل خداوندی کا طلب گار ہونا چاہیے،اس کا صیام النہار اور قیام اللیل بجا ہے اس کا استغراق وانہماک اپنی جگہ،اس کا مراقبہ ومجاہدہ برحق،اس کا جگراتا صد فیصد درست اور اس کے اشغال واوراد سرآنکھوں پر مگر وہ یہ بھی تو دیکھے کہ اس کی ان ریاضتوں کے مقابلے میں اللہ کی عنائتوں کا کیا عالم ہے؟ جس نے زندگی بھی دی اور اسباب زندگی بھی مہیا کیے،انسان بھی بنایا اور ایمان بھی عطا فرمایا،آنکھیں بھی بخشیں اور ان میں نور بھی اتارا،زبان بھی عنایت کی اور حسن بیان سے بھی نوازا،کاسہ سر بھی دیا اور اس میں دماغ بھی بھرا۔کیا ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے ایک زندگی کافی ہے؟ آنی جانی زندگانی اور حیات فانی۔

وہ محسن ازلی جس نے آنکھوں کی ضیافت کے لئے دنیا میں رنگ ونور کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلا دیا،جس نے ذوق وسماعت کے لئے لحن وصوت کا دریا بہا دیا،جس نے لذت کام ودہن کے لئے نعمتوں کا انبار لگا دیا،اور جس نے تسکین قلب وروح کے لئے جذبہ واحساس کا ایک گلشن سجا دیا،آخر وہ کیا چیز ہے جو انسان کے لئے ضروری تھی اور خدا نے اس کی طلب پوری نہیں کی؟ بندے کا سجدہ عبودیت بہت قابل قدر سہی،مگر اللہ کی شان ربوبیت کے کیا کہنے!

○○○○

ایمان اور استقامت

جن لوگوں کو خدا کے ایک مالک، خالق، رازق اور حاکم ہونے کا کامل یقین ہو جن کا یہ راسخ عقیدہ ہو کہ خیر و شر، عزت وذلت، ہدایت و ضلالت اور فلاح وخسران وہی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے الٰہی تعلیمات اور اپنی سیرت طیبہ کے ذریعے پیش کیا ہے۔ جو یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں کہ آخرت ہے اور بالآخر رب کے سامنے پیش ہونا ہے جہاں کھوٹا اور کھرا جھوٹ اور سچ، حق اور باطل، واقعہ اور واہمہ اپنی اصلی شکل میں سامنے آ جائے گا، اور جن کا دل اس پر مطمئن ہو کہ زندگی کا ضابطہ وہی ہے جو اسلام نے مہیا کیا ہے تو ایسے لوگ فکر وعمل کی ہر ٹیڑھ سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور کردار کا کوہ ہمالیہ بن جاتے ہیں، جسے نہ کوئی حکومت سر کر سکتی ہے اور نہ کوئی دولت۔ ترہیب کا ہر حربہ اور ترغیب کا ہر چکمہ ان پر اثر انداز نہیں ہوتا، وہ مل جانے اور چھن جانے کے خوف وحزن سے آزاد ہو جاتے ہیں ان کا عقیدہ دکان کا سودا اور ان کا ضمیر کوئی خریدنی وفروختنی مال نہیں ہوتا، وہ خدائے بے نیاز کے سچے بندے بن کر ہر اس چیز سے بے نیاز ہو جاتے ہیں جو انہیں دبا یا لبھا سکے، ایک بار کسی نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دریافت کیا ''یا رسول اللہ'' مجھے دین کی کوئی ایک بات ایسی بتایئے جس پر عمل کروں تو پھر کچھ پوچھنے اور کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو'' آپ نے جواباً ایک بہت ہی مختصر جملہ ارشاد فرمایا، مگر حکمت ومعنی کا ایک جہان اس میں آباد تھا، آپ نے فرمایا:

قل آمنت باللہ ثم استقم

''تم کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ڈٹ جاؤ'' اور یہی آئین جوانمرداں ہے جو مومن کو ہر نوع کی مصالحت اور مصلحت سے اونچا کر دیتا ہے اور مومن کے لئے اس کا ایمان اور عقیدہ وطن مال اولاد اور جان سے زیادہ اہم اور قیمتی بن جاتا ہے،

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کس کس مرحلے سے نہیں گزرنا پڑا؟ ترک وطن، ترک مال، ترک اولاد اور ترک جان، زرخیز خطہ وطن چھوڑ کر مکے کی وادی بے آب وگیاہ میں بخوشی منتقل ہو گئے، اپنا آباد گھر چھوڑ کر خدا کا گھر تعمیر کرنے میں لگ گئے، خوشحال زندگی چھوڑ کر فاقوں سے آشنا ہوئے، ایک الہامی اشارے پر اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے اور خاندان اور نمرود کی تمام دھمکیوں کو نظر انداز کر کے عقیدۂ توحید پر قائم رہے اور اس کی تبلیغ و ترویج میں مصروف رہے حتیٰ کہ آگ کا الاؤ ان کے لئے تیار ہو گیا، آپؑ نے اس پر بھی کوئی مصالحت نہیں کی بلکہ برابر مزاحمت کرتے رہے، کہا جاتا ہے کہ جب آپؑ کو آگ میں پھینکا جا رہا تھا تو حضرت جبرئیلؑ نے آ کر کہا ''اللہ سے کوئی درخواست کرنی ہو تو میں حاضر ہوں یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے'' آپؑ نے فرمایا: ''وہ مجھ سے زیادہ میرے حال سے واقف ہے'' یہ جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے اسی کی خاطر ہو رہا ہے۔ وہ جس طرح راضی ہے میں بھی اسی طرح خوش ہوں جب موت ایک لمحے کے فاصلے پر تھی تب بھی آپؑ نے عقیدے اور ایمان کا سودا نہیں کیا، حضرت موسیٰؑ کو دربار فرعون سے کس کس اذیت اور اہانت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، مگر آپؑ نے استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا، حضرت زکریاؑ آرے سے چیر ڈالے گئے، مگر کوئی طاقت ان کے ایمان میں شگاف ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکی، حضرت الیاسؑ جلاوطن کر دیئے گئے وہ بے شک گھر سے نکالے گئے مگر ان کے ذہن سے عقیدہ نہ نکالا جا سکا، حضرت یحییٰؑ کو بادشاہ کے بھرے دربار میں جس تہمت سے متہم کیا گیا، انسان کے اعصاب توڑنے کے لئے وہ کافی ہے تہمت کی شدت اپنی جگہ مگر عقیدے کی صداقت پر آنچ نہیں آنے دی، حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے خلاف کیا کیا کچھ نہیں کیا گیا اور کس کس نوعیت کا تشدد روا نہیں رکھا گیا جس بیمار کو آپؑ نے ٹھیک کیا وہی آپؑ کا مخالف بنا جس کوڑھی کو آپؑ نے صحت مند بنایا وہی جان کے درپے ہوا، جس مردے کو آپؑ نے زندہ کیا اسی نے زبان دراز کی، اس سب کے باوجود عقیدے کی صلاحت برقرار رہی، یہ سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے؟ انسان اتنا طاقتور کس طرح بن جاتا ہے؟ وہ اپنے جذبات کو کیوں کر قابو میں رکھتا ہے اور اپنی ذات اور مفادات سے کس طریقے

Marfat.com

سے اوپر اٹھ آتا ہے؟ جب کہ وہ پتھر سے تراشیدہ اور فولاد کا ڈھالا نہیں ہوتا بلکہ گوشت پوست کا بنا ہوتا ہے اسے دنیا اور دنیا کی لذات کا پورا شعور اور ادراک ہوتا ہے، وہ اور اس کا سینہ احساسات سے معمور ہوتا ہے، پھر بھی اس کے اندر ایک نہ ٹوٹنے والی انا، نہ بکنے والا ضمیر، نہ دبنے والا جذبہ، اور نہ مٹنے والی روح سما جاتی ہے، اس کا واحد سبب یہی ہے کہ جب وہ طے کر لیتا ہے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے، تو اس کے سامنے عزت و ذلت، نفع وضرر، عروج و زوال، لذت و اذیت اور دولت وحکومت کے سارے دنیوی پیمانے بکھر کر خاک ہو جاتے ہیں اور وہ پاک ہو کر سوئے افلاک کے سفر پر نکل کھڑا ہوتا ہے۔

OOOO

Marfat.com

یہ قیمت اور اتنی نخوت؟

سلطنت عباسیہ کا ایک نامور اور قدرے نیک نام حکمران ہارون الرشید بہت بڑی قلمرو کا فرمانروا تھا، اس کے دور میں رفاہیت، ثروت، طاقت، شوکت اور علمیت سے دولت عباسیہ مالا مال ہوگئی تھی، ہارون کے دور کا بغداد صحیح معنوں میں ''عروس البلاد'' بن چکا تھا، بیس لاکھ آبادی کا یہ شہر اپنے محلات، مساجد، مدارس، اور باغات کے سبب دنیا کا ایک شاہکار شہر تھا۔ چالیس کروڑ درہم سالانہ خراج بغداد کو پہنچتا تھا، اس کی سلطنت کی حدود کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ بادل کسی بھی خطہ ارض پر برستا اس سے اگنے والے اناج کا خراج اس کے خزانے میں جمع ہوتا، نہر زبیدہ اسی دور کی یادگار ہے۔

دنیا بھر کی صنعتیں، نعمتیں اور سہولتیں سمٹ کر اس کی سلطنت میں جمع ہوگئی تھیں، گویا ہند سندھ پر اس کا راج تھا، ایک بار وہ سفر پر نکلا اور راستہ بھول کر اپنے قافلے سے بچھڑ گیا، اسے بھوک اور پیاس نے آ لیا کچھ دیر تک تو اس نے ضبط سے کام لیا مگر شاہ ہو یا گدا، بھوک اور پیاس ہر ایک کو برابر لگتی ہے کیوں کہ یہ فطرت انسانی ہے اور فطرت اور اس کے مطالبے اور تقاضے ہر انسان سے یکساں ہوتے ہیں آخر، بادشاہ بھی تو انسان ہوتا ہے، خاک کا پتلا اور بشری کمزوریوں کا مجسمہ، نہ وہ دیوتا ہوتا ہے اور نہ سونے چاندی کا ڈھانچہ، بلکہ غریب کے مقابلے میں امیر زیادہ نازک اندام ہوتے ہیں اور صبر و برداشت کے معاملے میں بہت پھسڈی۔ ہارون الرشید سخت پیاس سے بلبلا اٹھا اور دائیں بائیں پانی کی تلاش میں سرگردان ہو گیا تھوڑی دور آگے چل کر اسے ایک شخص نظر آیا جس کے پاس پانی کا مشکیزہ تھا، یہ دیکھ کر ہارون کی جان میں جان آئی اور اس کے سوکھے کھیتوں اوس پڑی، لپک کر اس شخص کے پاس پہنچ گیا اور اپنی پیاس کا بتایا، مشکیزہ بردار شخص کوئی صاحب نظر اور اہل دل تھا، وہ پہچان گیا کہ یہ وقت کا بادشاہ

ہارون الرشید ہے اس کا لباس، اس کا بشرہ، اس کا چہرہ مہرہ شاہی مزاج کی چغلی کھا رہا تھا، اس صاحب دل نے ہارون کی یہ بے تابی اور مجبوری دیکھ کر ہارون سے کہا کہ آپ مشرق و غرب پر محیط سلطنت کے مالک اور بہت بڑی دولت کے وارث ہیں، اگر اس وقت آپ کو پانی نہ ملے تو کیا کریں گے؟ ہارون تقریباً چیخ کر بولا ''مر جاؤں گا اور کیا؟'' اس صاحب دل نے پھر پوچھا اگر کوئی اس عالم میں تمہیں ایک گھونٹ پانی پلا دے تو اسے کیا انعام دو گے؟ ہارون بولا ''آدھی سلطنت اس کے نام کرنے کو تیار ہوں'' وہ اللہ والا یہ پیش کش سن کر بولا ٹھیک ہے آپ پانی پی لیتے ہیں آپ کی پیاس بجھ جاتی ہے مگر کسی سبب یہ پانی پیشاب بن کر خارج نہیں ہوتا اور تم گھٹن اور درد کے مارے ہلکان ہو جاتے ہو ایسے میں اگر کوئی طبیب تمہیں ایسی دوا دے جس سے پیشاب خارج ہو جائے اور تمہاری جان بچ جائے تو اسے کیا بخشش دو گے؟ ہارون الرشید نے کہا جو اس طرح میری جان بچائے گا میں ایسے طبیب کو باقی آدھی سلطنت بخش دوں گا، کیوں کہ زندگی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور زندگی کا کوئی بدل نہیں، تب وہ صاحب نظر آگے بڑھا اور مشکیزے سے پانی الٹ کر ہارون الرشید سے کہنے لگا ''تمہاری جس سلطنت کی قیمت صرف دو گھونٹ پانی ہے اس پر اس قدر ناز کرنے اور اترانے کا کوئی جواز نہیں بس اتنی سی چیز پر انسان اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگ جاتا ہے''

یہ جملہ کیا تھا سلطنت، شان و شوکت اور دولت و طاقت کا پورا فلسفہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا، جو بات ہارون کو فلسفیوں، دانشوروں اور مفکروں کی محفل میں بیٹھ کر اور بیسیوں کتابیں پڑھ کر سمجھ نہیں آئی تھی وہ اللہ والے کے ایک جملے نے اس پر کھول دی، اللہ کی نعمتوں کا کیا شمار؟

دل اگر بیدار، نظر اگر کشادہ، عقل اگر سلیم اور ایمان اگر سلامت ہو تو فقط ملک و سلطنت ہی نہیں اور زر و جواہر کے ڈھیر ہی نہیں، ہوا کا ایک جھونکا، روٹی کا ایک لقمہ، کپڑے کا ایک ٹکڑا، پانی کا ایک قطرہ اور زندگی کا ایک ایک لمحہ بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہوتا ہے، شرط یہ ہے کہ کوئی اس کا احساس اور ادراک کرے، اور دوسرے لفظوں میں یہ احساس و ادراک ہی سب سے بڑی نعمت ہے، جسے احساس کی دولت اور ادراک

جیسی نعمت مل گئی گویا اس نے راز زندگی پا لیا، آب و خاک اور آتش و باد کے عناصر ترکیبی کا نام زندگی نہیں بلکہ شعور بندگی اصلی زندگی ہے، قیمت جہانبانی صرف دو گھونٹ پانی؟ حقیقت زندگانی جاننے کے لئے یہی بات کافی ہے۔

OOOO

Marfat.com

ذہانت اور عبرت

قدرت نے انسان کو جہاں ''حسن تقویم'' سے نوازا، یعنی اسے روشن آنکھیں، کشادہ پیشانی، مستواں ناک، خوبصورت ہونٹ، مناسب قد، چوڑا سینہ، اور موزوں کان عطا کئے وہاں اس نے یہ بھی کرم کیا کہ انسان کو دماغ دیا اور عقل جیسی نعمت سے نوازا اور بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ''عقل سلیم'' عطا کی، عام انسانوں کے مقابلے میں انہیں وافر حکمت گہری دانش، اونچی سوچ اور پاکیزہ فکر سے نوازا یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ ''نابغہ'' اور ''عبقری'' کہلاتے ہیں اور اس فہرست میں بے شمار نام آتے ہیں، اقلیدس، ارشمیدس، جالینوس، سقراط، بقراط، ارسطو، افلاطون، حضرت علیؓ، امام اعظمؒ بہلول دانا، لقمان حکیم اور دوسرے بہت سے ارباب دانش وبینش، اسی صف میں ایک نام حضرت امام شافعیؒ کا ہے جو تاریخ اسلامی کے بہت بڑے فقیہہ اور مجتہد ہیں اور ایک باقاعدہ دبستان فقہ کے بانی اور امام، امام شافعیؒ کو قدرت نے یہ صلاحیت بخشی تھی کہ بعض وہ مسائل جنہیں سلجھانے اور حل کرنے کے لئے بیسیوں لوگ مغز ماری کرتے تھے، پھر بھی بات کی تہ تک پہنچنا ان کے لئے دشوار ہوتا مگر امام شافعیؒ انہیں چٹکیوں میں حل کر دیتے اور بڑی سے بڑی گتھی چشم زدن میں سلجھا دیتے، فولاد جیسا مسئلہ ان کے ہاتھ میں پانی ہو جاتا، اور پہاڑ جیسا معاملہ ان کے آگے پانی کا بلبلہ بن جاتا، پھونک مارتے اور وہ کھل جاتا یہی وہ نعمت خداداد ہے جس کے بارے میں کہا گیا:

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

ایک بار خلیفہ ہارون الرشید محفل آراء تھا اور چہک چہک کر محفل کو گلنار بنائے ہوئے تھا، اور اہل علم اس کی نکتہ آفرینی اور دقیقہ سنجی سے محظوظ ہو رہے تھے، اتنے میں

Marfat.com

کہیں سے اڑتی ہوئی ایک مکھی آئی اور ہارون الرشید کے کان پر جا بیٹھی، ہارون نے اسے ہاتھ سے اڑا دیا اور باتوں میں لگ گیا، چند لمحوں بعد وہی مکھی آ کر ہارون کی ناک پر بیٹھ گئی، خلیفہ نے اسے اڑا دیا پھر وہ پلٹ کر وہیں دوبارہ آ بیٹھی، ہارون نے جھلا کر اسے پھر اڑا دیا اس طرح کئی بار ہوا اور ہارون کے کلام کا تسلسل بار بار ٹوٹ جاتا، ہارون الرشید نے بدمزہ ہو کر منہ بنایا اور تنگ آ کر بولا ''معلوم نہیں خدا نے مکھی کو کیوں پیدا کیا''؟ سوائے گندگی پر بیٹھنے، بیماری پھیلانے اور آدمی کو پریشان کرنے کے اس کا کیا مقصد تخلیق ہے؟

امام شافعیؒ جو اس وقت وہاں موجود تھے، آپ نے برجستہ فرمایا،

''مکھی کو خدا نے بادشاہوں کا غرور توڑنے کے لئے پیدا فرمایا ہے''

محفل میں ایک بار تو سناٹا چھا گیا، اور ہر شریک محفل دم بخود ہو گیا، امام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا، کہ دولت اور طاقت کے نشے میں غرق انسان جب نہ آیات الٰہی پر غور کرتا ہے نہ تعلیمات نبوت کو خاطر لاتا ہے نہ اہل اللہ کی فکر و دانش پر توجہ دیتا ہے اور نہ اپنے گردوپیش سے عبرت پکڑتا ہے اور وہ اپنی دولت کو ہر مسئلے کی کنجی اور اپنی طاقت کو ہر مشکل کا حل باور کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے تو قدرت بہت ہی معمولی چیز کے ذریعے اس کو اپنی اوقات یاد دلا دیتی ہے کہ تم بس یہی کچھ ہو، اس سے زیادہ ایک ذرہ بھی نہیں۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ انسان تھوڑا کچھ پا کر بہت زیادہ غرہ ہو جاتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس کی ذاتی ملکیت نہیں خدا کی امانت ہے، دولت ہو، طاقت ہو، عزت ہو یا شہرت، یہ ساری چیزیں ضروری نہیں کہ کسی کارکردگی کا دان ہو بلکہ یہ امتحان بھی ہو سکتی ہیں، لیکن انسان بہت کم غور کرتا ہے، اور خسارے میں رہتا ہے، نمرود، جب تکبر اور تمرد کے آخری درجے پر پہنچ گیا، اور اس کے دماغ میں خدا ہونے کا خبط سما گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا نشہ غرور و نخوت اس کی ناک میں ایک مچھر گھسیڑ کر تلپٹ کر دیا، نمرود بادشاہ ہو کر بھی اور خدا کے پیغمبر ابراہیمؑ کو اپنے سے کمتر سمجھ کر بھی ایک مچھر کے سامنے بے بس ہو گیا وہ ناک میں انگلی مارتا، گردن کو جھٹکے دیتا، اور

Marfat.com

اپنا سر ٹکراتا مگر مچھر سے چھٹکارا نہ پا سکا، اور وہی اس کی موت کا سبب بنا، یہ سنت الٰہی ہے کہ وہ ایسی ہی چیزوں سے دنیا والوں کو متنبہ کرتا اور اپنی قدرت کا احساس دلاتا ہے، فرعون دریا کی موجوں سے ہار گیا، قارون اپنے مکان میں دھنس کر رہ گیا، ابرہہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی نازک چونچوں کی نذر ہو گیا اور نمرود ایک چٹکی کی زد نہ سہنے والے مچھر کے ہاتھوں ہلکان ہو گیا اور ہارون الرشید کو ایک مکھی نے لاچار کر دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

OOOO

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

سقراط ایک موقع پر کہتا ہے: ''اپنا وقت دوسروں کی تحریروں کے مطالعے اور افکار سے روشنی حاصل کرنے سے اپنی لیاقت بڑھانے میں صرف کرو اس طرح تمہیں وہ چیزیں بآسانی حاصل ہو جائیں گی جن کے حصول کے لئے دوسروں کو محنت شاقہ اٹھانا پڑی''۔

یہ جو اولیاء کی صحبت کو مولانا رومؒ نے صد سالہ طاعت بے ریا سے بہتر قرار دیا اور علماء کی محفل میں بیٹھنے کو زندگی کا حسن کہا گیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے مشاہدات اور تجربات کے ذریعے اپنے ہم نشینوں کی محنت اور مشقت کو کم کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جس طرح ایک شخص انار کا بوٹا اگاتا ہے، اسے پانی دیتا ہے، اس کی نگرانی کرتا ہے اسے گرم و سرد موسم اور پرندوں کی دستبرد سے بچاتا ہے۔ جب پھل پک کر تیار ہو جاتا ہے تو اس کا رس نکال کر اپنے مہمان کو پیش کرتا ہے گویا مہینوں اور برسوں کی محنت کا نچوڑ یہی رس تھا اور پینے والے نے صرف اتنی زحمت کی کہ لبوں پر رکھ کر حلق سے اتار دیا، یہی صورت مطالعہ کی ہوتی ہے اہل فکر و دانش نے راتیں جاگ کر کوئی بات سوچی، خون جگر میں قلم ڈبو کر اسے سپرد قرطاس کیا، اور پڑھنے والے کو اپنے دنوں کے پیچ و تاب اور راتوں کے سوز و ساز کا خلاصہ پیش کر دیا اور ویسے بھی تاریخ بڑے لوگوں کے کاموں اور ان کی باتوں کے ریکارڈ کا نام ہے۔

بڑی باتیں کسی کو بڑا بناتی ہیں اور بڑے لوگوں کی باتیں بڑی کہلاتی ہیں، اربوں انسانوں میں سے شہرت، عظمت، عزت، منزلت، اور انفرادیت ظاہر ہے سینکڑوں ہزاروں کو بمشکل ملتی ہے ورنہ ہجوم آدم میں کسی کا یاد رہنا تو کجا چہرہ پہچاننا بھی ناممکن ہوتا ہے۔

Marfat.com

برطانوی وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل کی اس حکیمانہ بات کا کیا جواب ہے؟
''دنیا کبھی اتنی امیر نہیں ہو سکے گی کہ وہ کسی ایماندار اور باضمیر آدمی کو خرید سکے''
مشہور برطانوی سیاسی مفکر ایڈمنڈ برک کی یہ دو باتیں اسے زندہ و جاوید بنائے رکھنے کے لئے کافی ہیں:

ایک یہ کہ ''چھوٹا دماغ اور بڑی سلطنت کبھی ایک ساتھ نہیں چل سکتے''
اور دوسری یہ کہ: ''بدعنوان سوسائٹی میں آزادی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی''
امام حسینؓ کا آخری خطبہ کربلا، ایک خطاب کیا پورا منشور انقلاب ہے، آپ نے فرمایا: ''ندامت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے''۔

شاید سلطان ٹیپو نے اسی جملے سے انسپائر ہو کر یہ لافانی فقرہ کہا تھا:
''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے اچھی ہے''
قدیم ایرانی بادشاہ اردشیر نے اپنے بیٹے سابور کو وصیت کرتے ہوئے کہا تھا:
''یاد رکھ کہ دین اور ملک دو بھائی ہیں۔ کسی حکمران کے لئے ان میں سے کسی کے ساتھ بے نیازی کا برتاؤ کرنا ممکن نہیں، کیوں کہ دین ملک کی اساس ہوتا ہے اور ملک دین کا محافظ، جس ملک کی اساس نہ ہو وہ منہدم ہو جاتا ہے اور جس چیز کا کوئی محافظ نہ ہو وہ ضائع ہو جاتی ہے''

جدید نفسیات دان اورسٹائن (ORURSTIEN) نے بڑی پتے کی بات کی ہے اس کا کہنا ہے:
''دینی شعور، دراصل شعور کا بلند ترین جذبہ ہے اور اس سے بلند ترین آدمی بہرہ ور ہوتا ہے''

باب مدینۃ العلم حضرت علیؓ اپنی ایک عربی رباعی میں فرماتے ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے:
''علم سعید الفطرت لوگوں میں اپنا مقام پاتا ہے کم ظرف انسانوں میں بدنام ہو جاتا ہے جس طرح بارش کا قطرہ سیپی کے منہ میں پڑے تو موتی بنتا اور سانپ کے منہ میں جائے تو زہر ہو جاتا ہے''

Marfat.com

یونان کے ایک نامور مفکر اور مقنن سولن نے بہترین معاشرے کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

''مثالی معاشرہ وہ ہے جہاں عوام حکام کے تابع ہوں اور حکام قانون کے تابع''

امریکی بابائے قوم ابراہم لنکن عمر بھر کا حاصل یوں پیش کرتا ہے:

''تم ایک شخص کو ہمیشہ دھوکے میں رکھ سکتے ہو، تم بہت سے لوگوں کو تھوڑے وقت کے لئے بے وقوف بنا سکتے ہو لیکن تمام انسانوں کو ہمیشہ کے لیے فریب نہیں دے سکتے''

حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول حکمت دنیا بھر کی اجتماعی دانش پر بھاری نظر آتا ہے، فرماتے ہیں:

''میں مردے زندہ کر لیتا ہوں لیکن احمق کی اصلاح سے عاجز آ گیا ہوں''

یہ تھے بڑے لوگوں کی صحبت سے جمع ہونیوالے چند جواہر پارے، جو بذات خود زندگی بھی ہیں اور حاصل زندگی بھی۔

OOOO

یتیم پروری

جب کہا جاتا ہے کہ ''اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے'' تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اسلام اپنی تعلیمات اور احکام کے حوالے سے دین و دنیا، روح اور مادہ، فرد اور اجتماع، حقوق اللہ اور حقوق العباد اور عبادات و معاملات سبھی کا احاطہ کرتا ہے۔ سوسائٹی کا کوئی گوشہ اور افراد کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جس کے بارے میں اسلام ہدایت اور رہنمائی فراہم نہ کرتا ہو اور یہی اسلام کی جامعیت اور کاملیت کی دلیل ہے، اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کے آپس میں کیا حقوق ہیں ان سب کی وضاحت اور تصریح اسلام میں ملتی ہے، ماں باپ کے حقوق، اولاد کے حقوق، بیویوں کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق، مزدوروں کے حقوق، محتاجوں کے حقوق اور یتیموں کے حقوق وغیرہ ان سب کے بارے میں اسلام پوری تفصیل کے ساتھ احکام بیان کرتا ہے، اور یہ احکام وتعلیمات قرآن وحدیث میں جابجا ملتے ہیں۔ یتیموں کے حقوق ہی دیکھ لیجئے۔ کتاب و سنت میں ان حقوق کی تصریحات ملتی ہیں:

- اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو (النساء: 127)
- جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں (النساء: 10)
- یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو احسن ہو یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں (الانعام: 152)
- ایسا کبھی نہ کرنا کہ انصاف سے تجاوز کر کے اس خوف سے ان کا مال جلدی جلدی کھاؤ کہ وہ بڑے ہو کر اپنے حق کا مطالبہ کریں (النساء: 3)

Marfat.com

● (یتیم کا سرپرست) جو مال دار ہو وہ پرہیز گاری سے کام لے اور جو غریب ہو وہ معروف طریقے سے کھائے (یعنی حق الخدمت وصول کرے) (النساء:6)

● جب ان (یتیموں) کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنا لو اور حساب لینے کے لئے اللہ کافی ہے، (النساء:6)

ان کے علاوہ بھی قرآن مجید کی متعدد آیات ہیں جو یتیم سے حسن سلوک، شفقت اور اس کی دلجوئی کی بابت ہدایت فراہم کرتی ہیں، اور اس کمزور اور بے سہارا طبقے کو تحفظ اور شرف کا احساس عطا کرتی ہیں، اسی طرح اس سلسلے میں بکثرت احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہیں، جن میں یتیم پروری کی فضلیت اور اہمیت بیان ہوئی ہے تاکہ یتامیٰ تنہا ہو کر نہ رہ جائیں۔

حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنیوالا جنت میں اس طرح ہوں گے یہ کہہ کر آپؐ نے شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا اور ذرا کشادہ رکھا (بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ راوی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے کسی یتیم کو اپنی سرپرستی میں لیا اور اپنے کھانے اور پینے میں شریک کیا اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل فرمائے گا'' (مشکواۃ)

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف خوشنودی رب کے لیے ایسا کیا تو سر کے جتنے بال ہاتھ کے نیچے آئے ہر بال کے بدلے اسے نیکیاں ملیں گی اور جس نے اپنے پاس قیام پذیر یتیم بچی یا بچے سے حسن سلوک کیا تو وہ اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح (قریب) ہوں گے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی انگلیوں کو آپس میں ملایا (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے اپنے سخت دل ہونے کی شکایت کی۔ آپؐ نے اس کی سخت دلی کا یہ علاج تجویز فرمایا:

''یتیم کے سر پر ہاتھ رکھو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو'' (مسند احمد)

مندرجہ بالا فرمودات ذخیرہ احادیث میں موجود یتیم نوازی کی چند روشن مثالیں ہیں ورنہ افتادہ و پسماندہ طبقات کو جتنا تحفظ اور احساس شرف اسلام نے دیا ہے وہ دنیا کا کوئی دوسرا نظام نہیں دے سکا، اس لئے کہ اللہ ''رب العالمین'' ہے اور اس کے آخری نبی ''رحمتہ اللعالمین'' ہیں اور اسلام ربوبیت عامہ اور رحمت تامہ کا علمبردار نظام حیات ہے۔

OOOO

Marfat.com

بہترین لائحہ عمل

ہر انسان کی یہ شدید اور حتمی خواہش ہے کہ وہ زندگی بھرپور انداز میں گزارے اور مسرور ہو کر بسر کرے، یہ سارا کاروبار حیات اور ساری تگ و تاز اسی لئے ہے کہ زندگی کے جو لمحے میسر آئے ہیں وہ اس طرح گزریں کہ خوف افلاس ہو اور نہ اندیشہ مرض، نہ دل بے چین ہو اور نہ روح بے قرار، ایک سکون ہو، اطمینان ہو اور امن ہو، اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بعض حکومت کے طالب ہوتے ہیں کہ ایوان اقتدار گہوارۂ سکون اور گوشہ عافیت ہے، بعض دولت کا سہارا لیتے ہیں کہ ان کے نزدیک ہر مسئلے کا حل دولت ہے اور بعض طاقتور بننے کی کوشش کرتے ہیں ان کے خیال میں کمزوری ہی خوف اور اندیشے کو جنم دیتی ہے، مگر اسلام ذکر الٰہی کو اطمینان قلب کا ذریعہ قرار دیتا اور خوف خدا اور آخرت کو سکون کا ضامن کہتا ہے، اسلام حکومت، دولت اور طاقت کو ایک حقیقت تو سمجھتا ہے لیکن آخری اور حتمی حقیقت نہیں اور نہ ہی مسرت کی ضمانت، اس باب میں اسلامی تعلیم کیا ہے؟ ملاحظہ فرمایئے:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

"ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کون ہے جو مجھ سے یہ احکام لے جائے اور ان پر عمل کرے یا اس شخص کو سکھائے جو انہیں اختیار کرے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ میں ہوں، آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے پانچ باتیں بتلائیں، فرمایا (1) ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچاؤ جنہیں خدا نے حرام قرار دیا ہے اگر تو ان سے بچے گا تو تیرا شمار بہترین بندوں میں ہوگا (2) جو چیز خدا نے تیری قسمت میں لکھ دی ہے اس پر راضی اور شاکر رہ، اگر تو ایسا کرے گا تو تیرا شمار دنیا کے غنی ترین لوگوں میں ہوگا۔ (3) تو اپنے ہمسائے سے اچھا سلوک کر اگر تو ایسا کرے گا تو مومن کامل ہو

Marfat.com

گا۔ (4) جو چیز تو اپنے لئے پسند کرتا ہے دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کر، اگر تو ایسا کرے گا تو کامل مسلمان ہو گا۔ (5) اور زیادہ نہ ہنس، اس لئے کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے" (ترمذی)

یہ پانچ باتیں زندگی کا بہترین لائحہ عمل اور انمول تحفہ ہیں، اچھا انسان، غنی، مومن، مسلمان اور زندہ دل بننے کے لئے خدا کی عبادت، قناعت، حسن معاشرت، مساوات اور متانت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منتخب فرمایا اور نبی کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بیان کیا۔ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے آدم کے بیٹے! تو اپنے دل کو میری عبادت و بندگی کے لئے مطمئن اور فارغ کر لے میں تیرے دل میں استغناء اور بے فکری بھر دوں گا، اور فقر و احتیاج کے سوراخوں کو بند کر دوں گا اگر تو ایسا نہ کرے گا تو میں تیرے ہاتھوں کو مشاغل دنیا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر و افلاس کے سوراخوں کو کھلا چھوڑ دوں گا"

دنیا کے تجربات یہی بتاتے ہیں کہ حکومت و دولت پا کر بھی لاکھوں لوگ غناء اور سکون کو ترستے رہے، لیکن جو لوگ یاد الٰہی میں لگ گئے ان کو دنیا اپنے جال میں نہ پھنسا سکی اور وہ پوری یکسوئی سے زندگی بسر کرتے رہے، نہ بے محابا پانے کی خواہش اور نہ اندوختہ چھن جانے کا ڈر، اس سے زیادہ سکون و اطمینان کی کیفیت اور کیا ہو سکتی ہے؟ انسان خدا کا بندہ بن جائے، اس کے فیصلوں کو خواہش دلی سے ماننے والا ہو جائے، حقوق العباد کا خیال رکھے، اپنے علاوہ دوسروں کی ضروریات اور خواہشات کو اہمیت دے اور زندگی یاوہ گوئی میں نہیں سنجیدگی کے ساتھ بسر کرے، اس سے زیادہ کامیاب اور کامران شخص اور کون ہو سکتا ہے؟ حضرت سہل بن سعدؓ کے مطابق "ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کوئی ایسا عمل بتایئے جو میں اختیار کروں تو خدا اور خدا کے بندے مجھ سے محبت کریں۔ آپؐ نے فرمایا دنیا کی طرف رغبت نہ کر خدا تجھ سے محبت کرے گا اور دنیا والوں کی چیزوں (جاہ و مال) کی خواہش نہ کر لوگ تجھ سے محبت کریں گے"

OOOO

Marfat.com

غور طلب

آج کا انسان اپنی تیز رفتاری پر بہت شاداں اور نازاں ہے۔ کمپیوٹر اور سیٹلائٹ کے اس دور نے فی الواقع انسان کو بہت کچھ دیا ہے کل کے خواب آج کے واقعات بن چکے ہیں ۔ ماضی کی کہانیاں حال کی حقیقتوں میں ڈھل چکی ہیں۔ برسوں قبل اڑن کھٹولوں کی باتیں محض بچوں کے بہلانے کے لئے ہوتی تھیں آج واقعتہً آواز سے تیز رفتار طیارے ہواؤں کا سینہ چیر رہے ہیں، کل تک سمندر کی موجیں انسان کے لیے اژدہا بنی ہوئی تھیں آج وہی سمندر اور اس کی طوفانی لہریں انسان کے قدموں اور مٹھی میں ہیں اور ایک فرمانبردار ملازم کی طرح اپنے دوش پر بٹھائے ہلکورے دے رہی ہیں۔ روشنیوں کے سیلاب نو بہ نو ایجادات اور جدید ترین ذرائع مواصلات نے مل کر جنگل کو محاورۃً نہیں عملاً منگل کا سماں بخش دیا ہے۔ ساری دنیا سمٹ کر ''گلوبل ولیج'' کا روپ دھار چکی ہے۔ طلوع سحر کے ساتھ انسان سفر پر نکلتا ہے۔ شام ڈھلے دوسرے براعظم میں ہوتا ہے اور اگلی صبح کا ناشتہ واپس اپنے گھر کی ٹیبل پر کرسکتا ہے۔ یہ ہوش ربا ترقی بہت حیران کن ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی المیہ ہے کہ زمینی فاصلے تو روز بروز سمٹ رہے ہیں لیکن روحانی اور ذہنی فاصلے دن بدن بڑھ رہے ہیں۔

باہر کی دنیا کہکشاں بنی ہوئی ہے مگر انسان کا باطن بے چراغ قبرستان بنتا جا رہا ہے، کارکنان قضا و قدر تو انسان کے خادم بن چکے ہیں لیکن انسان اپنے جیسے انسان کے جبر کے ہاتھوں نادم دکھائی دیتا ہے، انسان نے سمندر کی موجوں کو مسخر کر لیا لیکن نفس اور ہوس کی لہریں اس کے قابو میں نہیں آرہیں، آندھیاں اور طوفان تو اس نے کنٹرول کر لئے ہیں مگر اندر کا انسان اس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔

تہذیب حاضر نے علم کے انبار تو لگا دیئے ہیں مگر انسان کو اپنی پہچان سے محروم کر

Marfat.com

دیا ہے، ذخیرہ معلومات کی کوئی حد نہیں لیکن ذریعہ معلومات شکوک وشبہات سے معمور ہے۔ چنیں و چناں کی ضخیم کتاب مرتب ہو چکی ہے مگر یقین و ایمان کا ورق ابھی تک سادہ ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ تن فربہ اور من لاغر ہوتا جا رہا ہے، جگر مراد آبادی نے درست کہا ہے:

جہل خرد نے یہ دن دکھائے
گھٹ گئے انساں، بڑھ گئے سائے

خدا نہ کرے کہ آج کا انسان اپنے گرد وپیش کے بوجھ تلے دب کر دم توڑ دے جس کے آثار و شواہد بہر حال موجود ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں جنگ و جدال نہ ہو اور انسان کے ہاتھوں انسان پامال نہ ہو، روز بروز یقین کی رکاب پاؤں سے کھسکتی اور اعتماد کی لگام ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی ہے۔ کسی زمانے میں انسان راکب اور دنیا مرکب تھی، آج انسان کی پیٹھ ہوس دنیا کے لئے کاٹھی کا کام دے رہی ہے۔ آج کا انسان باطنی طور پر اتنا کوتاہ نظر کیوں ہو گیا ہے کہ اسے سانپ کی رنگدار اور ملائم جلد تو دکھائی دیتی ہے مگر اس کے زہر پر اس کی نگاہ نہیں جاتی؟ میک اپ پر تو وہ فریفتہ ہے مگر وہ اس کے پیچھے چھپی ہوئی چڑیل پر نظر نہیں رکھتا؟ اسے اسباب دنیا کی تو پوری خبر ہے لیکن مسبب اور سباب سے بیگانہ ہو رہا ہے؟ کائنات کی وسعت تو اسے مسحور کر رہی ہے لیکن خالق کائنات کی عظمت کا اسے ادراک نہیں؟ یہ سب کچھ غور طلب ہے۔

انسان یہ بھول رہا ہے کہ یہ معرکہ اس نے پہلی بار مارا ہے قبل ازیں بھی بڑی پر شکوہ تہذیبیں ہو گزریں اور دم توڑ گئیں نمرود اور فرعون، دارا اور سکندر، چنگیز اور ہلاکو، قیصر وکسریٰ تاریخ میں افسانوی نخوت حاصل کر چکے ہیں اگرچہ منفی ہی سہی، یہ لوگ طاقت، حکومت، دولت کا سمبل تھے اور یہ ''معرکہ مار'' قسم کے لوگ تھے، لیکن ان کے قلعوں کی فصیلیں اور حویلیوں کی دیواریں آج عہد رفتہ کو آواز دے رہی ہیں اور وہ سارا طمطراق مٹی کے ڈھیر میں بدل چکا ہے۔ آج کا سائنسی و تہذیبی ''کھڑاک'' بھی کل کو پیوند خاک ہو سکتا ہے ایسے عالم میں ضرورت ہے کہ انسان اپنا اندر ٹٹولے، سارا کام

Marfat.com

محض بصارت سے نہیں بہت سا کام بصیرت سے ہوتا ہے، ایجادات کے وفور میں بندہ دل کے نور سے محروم نہ ہونے پائے اور ''مقالات حکیم'' کے دوش بدوش ''مشاہدات کلیم'' پر انسان کی نگاہ رہنی چاہیے، کیوں کہ یہی ''جوہر آدمیت'' اور ''حاصل عبدیت'' ہے۔غور طلب بات پر ضرور غور کرنا چاہیے۔

OOOO

Marfat.com

آئین جوانمرداں

یہ تاریخ ایمان و یقین کا بار بار کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جس کا دل خوف خدا سے آشنا ہو وہ ہر طرح کے خوف وحزن سے آزاد ہو گیا، جس نے اپنا سر نیاز خدا کے حضور جھکا دیا وہ ہر ترغیب و ترہیب سے بے نیاز ہو گیا، اور جس نے اپنا دست سوال اللہ کے حضور پھیلا یا وہ در در کی ذلت سوال سے بچ گیا، کسی سے خوف وہ کھاتے ہیں جو خشیت الٰہی کے ذائقے سے محروم ہوں، کسی کے آگے خم وہ ہوتے ہیں، جو خدا کے آگے سر خم کرنے کی لذت سے ناآشنا ہوں اور دریوزہ گر وہ ہوتے ہیں جو دعائے نیم شبی اور آہ سحر سے آگاہ نہ ہوں، ستیزہ گاہ جہاں میں ہر بار نئے سے نئے حریف پنجہ فگن اترے، مگر کسی صاحب ایمان و یقین کو اپنے شیشے میں نہ اتار سکے، خواہ وہ عہد بربریت ہو، دور ملوکیت ہو یا زمانہ جمہوریت، جفاکیش اپنے حربے اور پینترے بدلتے رہتے مگر وفا کیش ایک ہی عقیدے اور رویے پر قائم رہے، ارباب جبر غم و غصے میں پہلو بدلتے رہے لیکن اصحاب صبر ایک خاص سکون اور طمانیت سے سرشار رہے، اس لئے کہ ایمان اور استقامت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایمان دراصل اطمینان کا نام ہے اور استقامت دوسرے لفظوں میں سراسر طمانیت ہے۔

ارشاد خداوندی ہے ''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور وہ اس پر ڈٹ گئے تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کوئی خوف نہ کرو اور نہ غم کھاؤ اور اس جنت سے شادمان ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اور ہم ہی تمہارے دنیا و آخرت میں ساتھی ہیں اور تمہارے لئے جنت میں وہ کچھ موجود ہے جس کی تم خواہش کرتے ہو اور جس کی تمہیں طلب ہے، یہ غفور و رحیم خدا کی طرف سے ضیافت ہے۔ (حٰم السجدہ: 30 تا 32)

Marfat.com

ایسے اللہ والوں نے ہر دور اور ہر دربار میں اسی متانت، طمانیت اور استقامت کا مظاہرہ کیا جوان کی شان ہے۔ خواہ وہ حضرت سعید بن جبیرؒ ہوں، امام مالکؒ ہوں، امام اعظمؒ ہوں، امام احمد بن حنبلؒ ہوں، امام ابن تیمیہؒ ہوں، یا مجدد الف ثانیؒ، اسی طرح حضرت فضیل بن عیاضؒ ہوں یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ، ان لوگوں نے شہادت حق کا فریضہ ہر موقع پر بڑی جرات سے ادا کیا، نہ کسی کے سامنے دبے اور نہ کسی کے ہاتھ بکے، یہ اللہ کے ہاں ایمان کے عوض اپنے مال اور اپنی جان کا سودا پہلے ہی کر چکے ہیں، جب حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیرؒ کو پابجولاں اپنے پاس طلب کیا تو بڑی حقارت سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا سعید بن جبیر، وہ دھاڑ کر بولا نہیں تم ''شقی بن کسیر ہو'' آپ نے بڑی بردباری سے فرمایا ''تمہارے مقابلے میں میرے نام کا میری ماں کو زیادہ علم ہے'' حجاج چیخ کر بولا، ''تم بھی بد بخت ہو اور تمہاری ماں بھی!'' آپ نے پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں فرمایا، ''خوش بختی اور بد بختی کا علم صرف اللہ کو ہے'' حجاج کا پیمانہ پندار چھلک پڑا اور کہا ''میں تمہاری زندگی جہنم میں بدل ڈالوں گا'' آپ نے فرمایا ''اگر یہ اختیار میں تمہارے ہاتھ میں سمجھتا تو تمہیں خدا نہ مان لیتا!''

یہ مکالمہ آئین جوانمرداں کا روشن حصہ ہے جس سے تاریخ تابناک ہے، منگول حکمرانوں کے کارندوں نے جب امام ابن تیمیہؒ کو دھمکانے اور دام زر میں لانے کی بیک وقت کوشش کی تو آپ نے کہا ''تمہارا اقتدار اور پوری منگول سلطنت میرے نزدیک ایک کھوٹے سکے کی حیثیت بھی نہیں رکھتی'' ۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک معمولی سا سکہ جیب سے نکالا اور ہوا میں اچھال دیا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے زمانے میں جب خلیفہ وقت نے قاضی ابوالوفاء کو چیف جسٹس نامزد کیا تو آپ نے برسر منبر للکار کر فرمایا: ''تم نے ایک اظلم الظالمین شخص کو قاضی القضاۃ بنایا ہے کل قیامت کے دن ارحم الراحمین خدا کو کیا جواب دو گے؟''

اس صدائے حق کی گونج ایوان خلافت تک پہنچی اور حاکم وقت کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑا، جب حضرت مجدد الف ثانیؒ اور جہانگیر کے درمیان تنازعہ عروج پر تھا اور جناب شیخ

Marfat.com

قلعہ گوالیار میں نظر بند تھے تو شہزادہ خرم (جو بعد میں شاہجہاں کہلایا اور بادشاہ بنا) نے آپ کو ایک خط لکھا چونکہ وہ آپ کا ارادت مند تھا اس نے کہا ''حضرت شیخ براہ کرم کوئی ایسی درمیانی راہ نکالیے کہ میرے والد کی انا کو بھی ٹھیس نہ پہنچے اور آپ کے نظریے کو بھی ضعف نہ آئے'' تو آپ نے اسی خط کی پشت پر دوسطری جواب لکھا اور فرمایا:

''اگر اللہ والے بھی سر جھکا کر چلنا شروع کر دیں تو سر اٹھا کر چلنے والے کون ہوں گے؟''

دارا و اسکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

OOOO

Marfat.com

روزہ اور اسلام کا ترغیبی رویہ

دنیا بھر کے علمائے نفسیات کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کو کسی عمل پر ابھارنے اور کسی فعل سے روکنے کے دو ہی طریقے ہیں، ایک ''ترغیب'' اور دوسرے ''ترہیب'' جسے جدید زبان میں اس طرح ادا کیا جاتا ہے، TEMPTATION یعنی رغبت دلانا اور PERSECUTION یعنی سزا دینا۔

اسلام میں بھی یہ دونوں رویے ملتے ہیں، لیکن پہلے ترغیب اپنی پوری تفصیل اور شان کے ساتھ بعد ازاں ترہیب یہ بھی عین تقاضائے فطرت ہے، اسی روزے کو لے لیجئے جب اللہ تعالیٰ نے فرضیت صیام کا حکم صادر فرمایا اور آیات اتاریں تو ترغیب کا انداز اختیار فرمایا سورۃ البقرہ آیات 183 اور 184 ملاحظہ کیجئے، ارشاد ربانی ہے:

''اے ایمان والو، تم پر روزے اس طرح فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے، تاکہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ، چند گنے چنے دن ہیں، پس تم میں کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو بعد میں ان روزوں کا شمار پورا کر لے اور جو بمشکل روزہ رکھ پاتے ہوں وہ ایک مسکین کو ازرہ فدیہ روزانہ کھانا کھلا دیں، اگر مشقت کے باوجود روزہ رکھ لیں تو ان کے لیے بھلائی کا کام ہے، اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے حق میں بہتری ہے اگر تم اس کو جانو تو''

اب دیکھئے ان دو آیات میں کس طرح ترغیب کا سامان ہے، آغاز ہے ''اے ایمان والو'' گویا اگر خدا نسبتاً اس مشقت آمیز فریضے کی ادائیگی کا مطالبہ اہل ایمان سے نہیں کرے گا تو اور کن سے کرے گا؟ ایمان کا دعویٰ ہو اور خدا کا مطالبہ پورا نہ ہو یہ عجیب بات ہو گی، پھر فرمایا ''تم پر اگلوں کی طرح روزے فرض ہیں'' یعنی یہ کوئی انوکھا اور انہونا فریضہ نہیں جو تم پر عائد کیا گیا اس سے پہلے بھی یہ فرض تھا اگر وہ لوگ اسے نبھا

سکتے ہیں تو تمہارے لئے بھی اس کا نبھانا مشکل نہیں ہونا چاہیے، آگے ہے ''تا کہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ'' اس کا مطلب ہے روزہ فقط مشقت نہیں ایک تربیت ہے، حصول فلاح وتقویٰ کی، آگے چل کر ارشاد ہوا ''ایاماً معدودات'' یعنی چند روز کی بات ہے، مہینوں اور برسوں کی نہیں، مزید فرمایا مریضوں، مسافروں اور کمزوروں کے لئے رعایت ہے قضا کی بھی اور فدیے کی بھی، یہ اسلوب کس قدر خوشگوار، نرم، عمل پر ابھارنے والا اور ترغیب دینے والا ہے، چنانچہ احادیث میں بھی یہی انداز ملتا ہے، تا کہ روزہ رکھنے والے خوش دلی کے ساتھ روزہ رکھیں، مثلاً سحری میں برکت ہے، روزہ دار کے منہ کی بو سنبل وریحان سے زیادہ خدا کو محبوب ہے۔

روزہ داروں کے لئے جنت کا ایک خاص دروازہ وقف ہوگا، جسے حضورؐ نے ''باب الریان'' فرمایا، روزہ افطار کرانیوالے کو روزہ دار کے برابر ثواب ملتا ہے خواہ نمک کی چٹکی اور دودھ یا پانی کے ایک گھونٹ سے کیوں نہ کرایا جائے، روزے کی حالت میں مرنیوالا شخص شہیدوں میں شمار ہوگا، جو شخص پورے ایمان وایقان کے ساتھ روزہ رکھتا ہے خدا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے وغیرہ۔ یہ جھلکیاں اور تلخیص تھی ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ روزہ بہرحال پر مشقت عمل ہے اور خاصا دشوار، لیکن اس کا اجر وثمر اتنا ہے کہ بندۂ مومن مشقت کو بھول جاتا ہے اور سعادت کو سمیٹ لیتا ہے، اگر روزہ رکھنے سے مسلمان کو تقویٰ جیسی نعمت حاصل ہو جائے، خدا کی خوشنودی عطا ہو جائے، جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے کی ضمانت مل جائے تو اس سے بڑھ کر اس کے لئے اور کیا لمحہ مسرت ہو سکتا ہے؟ یہ انداز صرف روزے کے لئے نہیں جملہ عبادات میں یہی اسلوب ملتا ہے، تا کہ لوگ بوجھل قدموں سے نہیں لپک کر اس جانب آئیں اور اللہ کی رحمتوں کو سمیٹ لیں، وہی اللہ، جو بندوں سے مشقت تھوڑی لیتا ہے اور اجرت زیادہ دیتا ہے۔

OOOO

Marfat.com

بے نیازی

دیو جانس کلبی یونان کا افسانوی شہرت یافتہ مجذوب فلسفی ہے، جس کی عمر کا ایک بڑا حصہ غور و فکر، مراقبے اور بے خودی کے عالم میں گزرا، نہ خود مجلس آرائی کرتا اور نہ کسی محفل کی رونق بنتا، وہ اپنی خلوت سے انجمن کا لطف لیتا تھا، جب بھی دیکھو عالم جذب و کیف میں نظر آتا، ایک ٹب تھا جس میں بیٹھے بیٹھے اس نے عمر گزار دی، کوئی چل کر آجاتا تو اسے اپنی دانش و حکمت سے مستفید کر دیتا ورنہ کسی کو بلا کر اپنے روحانی و عرفانی مشاہدات سے آگاہ نہ کرتا، یہ تھا اس کا بے غرضی کا انداز اور بے نیازی کا عالم!

یہی وہ دور ہے جب یونان ہی کے عظیم فاتح اور بادشاہ سکندر اعظم کی فتوحات کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا تھا، زمین اس کے پاؤں میں لپٹتی اور دنیا اس کے سامنے سمٹتی چلی جا رہی تھی، جس جانب رخ کرتا فتح اس کا مقدر ٹھہرتی، اس کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین دھمک اور اس کی تلواروں کی آب سے دھرتی چمک رہی تھی، اور ویسے بھی ایسے زمانے کا یونان دنیا بھر کی فکری و تہذیبی اور سیاسی و عسکری امامت کے منصب پر فائز تھا، ایک سے ایک بڑھ کر سائنس دان، فلسفی، منطقی، ریاضی دان، مفکر اور صوفی خاک یونان سے اٹھ رہا تھا، سکندر اگرچہ ایک مہم جو نوجوان اور جنگجو حکمران تھا مگر اسے دانش و حکمت اور ارباب فکر و بصیرت سے ایک گونہ رغبت اور عقیدت تھی، وہ جب بھی یونان پلٹ کر آتا ایک بار ضرور دیو جانس کلبی کی ملاقات کو جاتا مگر کئی بار اسے ملاقات کئے بغیر واپس آنا پڑتا کیوں کہ کلبی اپنے مزاج کا آدمی تھا، وہ ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں تھا جو قرب شاہی کے طالب و آرزومند ہوں اور ''شاہی دانشور'' کہلانے کے خبط میں مبتلا!

دیو جانس کا یہ مزاج زندگی بھر قائم رہا، اور اس کی ایک اعتبار سے خودنگری اور بے نیازی ضرب المثل بن چکی تھی، اور اس کا یہی اسلوب اس کی دانش کو صادق و بے آمیز بنائے ہوئے تھا، ایک بار سکندر اعظم ملنے آیا، سردیوں کا موسم تھا اور دیو جانس کلبی اپنے

چند خاص الخاص شاگردوں کے ساتھ دھوپ سے لطف اندوز ہو رہا تھا، سکندر حاضر ہوا اور اخذ فیض کے ارادے سے احتراماً کھڑا رہا، کچھ دیر باتیں کیں اور اجازت لینے سے پہلے گویا ہوا، ''یا استاد! میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بلا تکلف ارشاد فرمایئے میں اسے بجا لا کر عزت اور مسرت محسوس کروں گا''

یونان کے اس بے نفس اور بے نیاز دانشور نے نیم باز آنکھوں سے وقت کے فاتح عالم اور سکندر اعظم سے بڑی بے تکلفی اور بے ساختگی سے کہا:

''بس اتنی مہربانی کر دیجئے کہ آپ ذرا ایک طرف ہو جایئے۔ آپ نے میری دھوپ روک رکھی ہے''

ایک اور واقعہ پر سکندر اعظم اپنے وزراء اور رفقاء سمیت کلبی کے پاس آیا اور کچھ دیر رہا کھانے کا وقت ہونے پر دیو جانس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ باقی لوگوں کو تو معمول کا لنگر پیش کیا جائے البتہ میں اور سکندر ایک ساتھ کھانا کھائیں گے اور ہمارے لئے سونے چاندی کے ٹکڑے اور سکے دستر خوان پر رکھے جائیں، جب سکندر نے دستر خوان پر یہ چیزیں دیکھیں تو عرض کیا: ''حضور! یہ کیسے کھائیں گے؟''

دیو جانس کلبی نے کہا ''دوسروں کے لئے تو عام سا کھانا ہے یہ صرف آپ کے لئے ہے'' سکندر نے تعجب سے پوچھا ''جناب! یہ کھانے کی چیزیں تو نہیں میں کیسے کھاؤں گا؟'' اس پر کلبی نے اس سے کہا ''میں سمجھتا تھا کہ اب تم فاتح اعظم بن کر عام انسانوں والا کھانا نہیں کھاتے ہو گے بلکہ سونے چاندی اور ہیرے موتی تمہاری خوراک ہو گی مگر اب پتہ چلا کہ تمہیں بھی اس غذا کی ضرورت ہے جو انسان کھاتے ہیں، اگر یہی بات ہے تو اتنے بڑے پیمانے پر قتل و غارت اور مار دھاڑ کی کیا ضرورت ہے، یہ سب کچھ تو گھر بیٹھے بھی مل سکتا ہے'' اس پر سکندر کی ندامت اور خفت کا کیا عالم ہو گا یہ اہل نظر سے مخفی نہیں اور کلبی کی شان بے نیازی اور خوئے استغناء بھی ابد تک داد وصول کرتی رہے گی، جو دانش بے داغ ہو وہ بے خوف بھی ہوتی ہے اور جو فلسفہ صرف دماغ سے نہیں دل سے پھوٹے وہ انسان کو ہر طمع سے بے نیاز بنا دیتا ہے۔

OOOO

Marfat.com

احساس ندامت اور حسن نیت

معصومیت صرف پیغمبرؑ کا خاصہ ہے اور پیغمبر کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، چھوٹا بڑا گناہ کسی نہ کسی مرحلے میں انسان سے سرزد ہو ہی جاتا ہے اور اللہ غفور الرحیم بھی ہے، اس لئے دین اسلام نے اس باب میں جو فلسفہ پیش کیا ہے وہ فطرت کے عین مطابق اور حکمت کے اصول کے تحت ہے، یعنی انسان سے گناہ ممکن اور اس کا ازالہ یقینی ہے، اسلام نے نہ انسان کو پیدائشی گناہ گار قرار دیا ہے اور نہ کسی خطا کے بعد گناہ انسان سے چپک کر رہ جانے کا تصور دیا ہے، بلکہ گناہ کو بشری کمزوری اور اس سے پاک ہونے کی مختلف صورتیں تجویز کی ہیں، اسلام میں سزاؤں سے لے کر دعاؤں تک مختلف ایسے ذرائع ہیں جنہیں اختیار کر کے ایک انسان پھر سے نئی اور پاکیزہ زندگی اختیار کر سکتا ہے۔ ان میں توبہ ایک معروف ذریعہ ہے، توبہ کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''الندم التوبۃ'' یعنی ندامت ہی توبہ ہے، گناہ سرزد ہو اور آدمی کو احساس ندامت ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ایک تو ایسا انسان گناہ کے بارے میں جری اور بے باک نہیں بلکہ اس سے اس کا صدور کسی فوری اور منفی جذبے کے تحت ہوا ہے، دوسرے وہ گناہ کے معاملے میں باغی نہیں کہ اس پر فخر کرے بلکہ وہ خود کو خطا کار سمجھتا اور اس فعل پر نادم ہے، اور تیسرے یہ کہ اس کی ندامت اس کے حسن نیت کا اشارہ اور اظہار ہے تبھی تو اس نے اپنے دل اور ضمیر میں خلش محسوس کی اور بندے کی یہ ادا خدا کو بہت پسند ہے چنانچہ بندہ جب اظہار ندامت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ عفو و مغفرت کا معاملہ فرماتا ہے بشرطیکہ بندہ گناہ کو عادت نہ بنا لے اور بغاوت پر نہ اتر آئے، کوئی انسان اگر احساس ندامت سے معمور اور حسن نیت سے آراستہ ہے تو اسے اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا کرتا اور اس کی توبہ کو شرف قبولیت بخشتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سزا دے کر خوش

Marfat.com

نہیں ہوتا بلکہ وہ انہیں طلب مغفرت اور توبہ کا موقع دے کر خوش ہوتا ہے بندے کا احساس ندامت اور حسن نیت اللہ کو بہت پسند ہے، احساس گناہ، اعتراف جرم اور حسن نیت کے حوالے سے ایک حدیث رسولؐ بہت معنی آفرین اور یقین افروز ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو بخشنے کا حوالہ ڈھونڈتا ہے۔

صحیحین یعنی بخاری اور مسلم کی روایت ہے جس کے راوی معروف صحابی حضرت ابوسعید خدریؓ ہیں کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا، جس نے ننانوے آدمی قتل کئے، پھر وہ بنی اسرائیل سے یہ پوچھتا ہوا نکلا کہ اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ وہ ایک عابد و زاہد شخص کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ عابد نے کہا نہیں! اس نے عابد کو بھی مار ڈالا، اور پھر اسی طرح لوگوں سے پوچھتا پھرا کسی نے اس سے کہا تو فلاں بستی میں جا، اس نے نام پتہ بتایا (وہ ادھر چل دیا) راستے میں اسے موت نے آ گھیرا (جب کہ وہ آدھا راستہ طے کر چکا تھا) اس نے گھسٹ کر اپنا سینہ اس بستی کی طرف بڑھا دیا، گویا اس نے آدھے سے ذرا زیادہ فاصلہ طے کر لیا، اب اس کے بارے میں ثواب اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان جھگڑا ہوا کہ اسے کون لے جائے؟ اللہ تعالیٰ نے بستی کو حکم دیا کہ اس بندے کو یا تو اپنے قریب کر لے یا اس کے قریب ہو جائے اور جس بستی سے وہ چلا تھا اسے کہا کہ وہ اس شخص کو اپنے سے دور کر دے یا خود اس سے دور ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ نے عذاب و ثواب کے فرشتوں سے فرمایا کہ تم زمین کا فاصلہ ناپ لو چنانچہ ماپنے سے معلوم ہوا کہ وہ توبہ والی بستی کے نسبتاً قریب تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا''

گویا اللہ تعالیٰ کو اس گناہ گار کا احساس ندامت اور توبہ کے حوالے سے حسن نیت پسند آ گیا، اور یہ دو چیزیں اس کے گناہ کی بخشش کا ذریعہ بن گئیں، جو آدمی گناہ کرے اور اس پر نادم نہ ہو اور کبھی مائل بہ توبہ نہ ہو وہ محروم رحمت رہتا ہے ورنہ اللہ کی رحمت کبھی گناہ گاروں سے گریز نہیں کرتی، اور یہی اللہ کے ''وسیع الرحمت'' ہونے کی شان ہے۔

○○○○

قانون کی بالادستی

سب سے پہلے آپ صحیح البخاری میں درج ایک حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کر لیجئے،

''ام المومنین سیّدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تھی اور (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم صادر کر دیا تھا) اہل قریش اس سلسلے میں بہت فکرمند تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے باہم مشورہ کیا کہ اس عورت کے بارے میں کون سا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بات کرے، بعض لوگوں نے کہا کہ آپؐ سے یہ بات صرف اسامہ بن زیدؓ کر سکتے ہیں کیونکہ وہ (غلام زادہ ہونے کے باوجود) آپ کو بہت عزیز ہیں، بالآخر ان لوگوں نے اس معاملہ میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بات کرنے پر آمادہ کر لیا اور حضرت اسامہؓ نے آپ کی خدمت میں لوگوں کے احساسات اور درخواست پیش کی، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں سے کسی ایک حد کے بارے میں سفارش کرنا چاہتے ہو؟ یہ ارشاد فرمانے کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا جس میں آپ نے بالآخر فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اس وجہ سے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان کا کوئی صاحب حیثیت اور ذی وجاہت شخص چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اسے سزا دیتے تھے، خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا''

یہ ایک قول رسولؐ ہے، لیکن درحقیقت ایک انسانی اور آفاقی اصول ہے، جو صرف مسلم معاشرے کے لئے قابل توجہ اور لائق تقلید نہیں بلکہ پوری انسانی سوسائٹی کا قیام،

Marfat.com

اس کا نظام اور استحکام اسی اصول میں پوشیدہ ہے، جب RULE OF LAW یعنی قانون کی بالادستی کی بات کی جاتی ہے تو اس سلوگن یا ماٹو کے لوازم میں یہ چیزیں از خود شامل ہو جاتی ہیں اور ہونی چاہئیں، کہ جرم جرم ہے خواہ کسی سے سرزد ہو، جرم کے ارتکاب کے بعد کوئی بڑے سے بڑا اور معزز سے معزز آدمی قابل رعائت اور ذی وجاہت نہیں رہتا، عزت و وجاہت صرف پاک صاف اور باکردار آدمی کے لئے ہے۔ مجرم کو بچانے کے لئے سفارش ڈھونڈھنا گویا قانون کو بالادست نہیں بلکہ زیردست کرنے کا حربہ ہے، قانون کا نفاذ علی الاطلاق ہو تو اس کی بالادستی کا اقرار بھی ہوتا ہے اور اظہار بھی، خوف اور رعایت جیسے دو عناصر قانون کی بالادستی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ قانون کسی کی شکل، نسل، رنگ، زبان، قد، شجرۂ نسب، مال اور عہدہ دیکھ کر حرکت نہ کرے، یہ ہے قانون کی حرمت اور اس کی بالادستی کا تصور، خواہ وہ قانون GOD MADE ہو یا MAN MADE، انسان کے بنے ہوئے قانون میں تو ایسے خلاء ممکن ہیں جو مجرم کے لئے رعایت نکالیں، یا اس میں ایسے چور دروازے ہوں جن سے مجرم نکل جائے، کیوں کہ انسان اپنے گردوپیش، مستقبل کے خدشات، دوستوں اور رشتہ داروں کے مفادات و جذبات سے ضرور متاثر ہوتا ہے شاید انسان پہلے ہی کچھ ایسی شقیں رکھ دے جو قانون کے نفاذ کے معاملے میں شاہ و گدا میں تمیز کرتی ہوں، امیر اور غریب میں فرق رکھتی ہوں اور قوی اور کمزور میں امتیاز برتتی ہوں، لیکن خدا کے دیئے قانون میں ایسا کوئی عیب، سقم اور خلاء نہیں، کیوں کہ خدا لم یلد اور ولم یولد ہے، اس کی کوئی برادری اور رشتہ داری نہیں، وہ مستقبل کے کسی اندیشے اور وسوسے سے دوچار نہیں، اس کا کوئی سگا یا سوتیلا نہیں، وہ کسی کی موافقت اور مخالفت سے ماوراء اور بے نیاز ہے، اس لئے اس نے جو کہا اور جو دیا وہ جامع بھی ہے محکم بھی ہے واضح بھی ہے اور اٹل بھی ہے۔

جرائم پہلے دن سے ہو رہے ہیں اور ان کی روک تھام کا سلسلہ بھی اسی روز سے جاری ہے، لیکن تاریخی شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ جرائم کا گراف صرف اسی دور میں گرا، اور زیادتیوں کا زور صرف اسی عہد میں ٹوٹا، جب خدا کا قانون اس کے نیک، اور ذمہ

دار بندوں کے ذریعے زمین پر جاری اور سوسائٹی پر لاگو ہوا، خواہ وہ عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا دور خلافت راشدہ، بندوں کا بنایا ہوا قانون اصل میں رعایا کے لئے ہوتا ہے۔ برسر اقتدار لوگوں کے لئے نہیں ہاں جب وہ معزول برطرف، معطل یا الگ ہو جائیں اور رعایا بن جائیں تو وہ اس کی زد میں آ سکتے ہیں (ضروری نہیں کہ وہ عملاً آ ئیں) پھر بھی ان کی سماجی وسیاسی حیثیت کا لحاظ کیا جاتا ہے، اے کلاس، بی کلاس، سی کلاس وغیرہ۔ یہ اسی امتیاز کے ساختشانے ہیں، مگر خدائی قانون کے سامنے تمام انسان بشمول رعایا اور وقت کا حکمران ایک حیثیت کے ہوتے ہیں، اس لئے کہ سب اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے قانون کا پابند! قانون کو بالادست کرنے اور رکھنے کا واحد فارمولا یہی ہے۔

OOOO

Marfat.com

استقبال رمضان

یوں تو تمام زمانے، صدیاں، سال، مہینے، دن، راتیں اور ساعتیں سب اللہ کی ہیں، تاہم رمضان المبارک کے مہینے کو اللہ تعالیٰ نے ایک گونہ خصوصی فضیلت اور روحانی اہمیت سے نوازا ہے، اور اسے قرآن مجید کے نزول اور روزے کا مہینہ قرار دے کر باقی مہینوں سے افضل و ممتاز کر دیا ہے۔ اس مہینے میں ہونیوالی عبادت کا درجہ کم از کم ستر گنا ہے اور زیادہ کی کوئی قید نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ کے موقع پر جو خطاب فرمایا وہ استقبال رمضان کے حوالے سے تھا، آپؐ نے فرمایا "اے لوگو! تم پر ایک ایسا مہینہ سایہ فگن ہونیوالا ہے جس کا اوّل رحمت، اوسط مغفرت اور آخر جہنم سے آزادی ہے، جس میں نفلی عبادت فرض کے برابر کر دی جاتی ہے یعنی اجر و ثواب کے اعتبار سے اور فرض کو مرتبہ بلحاظ اجر ستر گنا کر دیا جاتا ہے، یہ مہینہ مبارک اور ہمدردی کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں جنت کے دروازے کھول اور دوزخ کے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔" اسی طرح آپ کا پورا خطاب رمضان المبارک کی آمد پر اظہار مسرت، روزے کی اہمیت، روزہ دار کی فضیلت، سحری کی برکت، افطار کی سعادت اور اس ماہ میں عبادت کی کثرت پر مشتمل تھا۔

رمضان المبارک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "نیکیوں کا موسم بہار" بھی قرار دیا ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جس طرح موسم بہار میں بوسیدہ پتوں کی جگہ تروتازہ پتے اگتے اور نئے شگوفے پھوٹتے ہیں اور پورے ماحول میں ایک آسودگی، خوش نمائی، تروتازگی اور رنگینی و خوشگواری کا احساس پیدا ہوتا ہے، اور ہر جانب ایک نئے منظر سے آنکھیں لطف اندوز ہوتی ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں بھی برکت و سعادت، خیرات و

Marfat.com

سخاوت، ایثار و مروت اور یگانگی و اخوت کا منظر دکھائی دیتا ہے، رجوع الی اللہ کی کیفیت میں اضافہ ہو جاتا ہے، صدقہ و خیرات کا رجحان فروغ پا جاتا ہے، عبادت کا ذوق بڑھ جاتا ہے، نوافل و اذکار میں جی لگنے لگتا ہے، تلاوت کلام پاک کا شغف کئی گنا ہو جاتا ہے اور پوری مسلم سوسائٹی پر روحانی نظم و ضبط کا رنگ چڑھ جاتا ہے، سحر خیزی کے لمحے بڑے دلآویز اور افطاری کے مناظر بڑے ایمان افروز ہوتے ہیں، گویا جس طرح بہار کے آنے سے پورا موسم بدل جاتا ہے اسی طرح رمضان کی آمد سے پورا ماحول بدل جاتا ہے، جس طرح موسم بہار میں پرندوں کی چہچہاہٹ اور برگ و گل کی طراوت پہلے سے بڑھ جاتی ہے اسی طرح ماہ رمضان میں اہل اسلام کے مزاج میں بھی نمایاں فرق محسوس ہونا چاہیے، اگر بہار آنے کے باوجود نہ پرانے پتے جھڑیں، نہ خشک ٹہنیاں سرسبز ہوں، نہ بوسیدہ پھول از سر نو شگفتہ ہوں اور نہ گلشن کی افسردگی شادابی میں بدلے تو اسے کون موسم بہار کہے گا؟ اسی طرح اگر نیکیوں پر موسم بہار یعنی رمضان کے باعث عالم شباب آئے مگر نہ مسجدوں کی رونق بڑھے، نہ لب و لہجہ بدلے، نہ انداز کار بدلے، نہ دل کی آرزو بدلے، نہ ذوق عبادت ابھرے، نہ جذبہ مہر و محبت پھلے پھولے، نہ اندر سے چشمہ تسلیم پھوٹے اور نہ ظاہر و باطن میں مثبت انقلاب آئے تو شعبان اور رمضان میں کیا فرق محسوس ہوگا؟ جب کہ رمضان، خدا کا مہمان مہینہ ہے اور مہمان کا احترام ہر انسانی معاشرت میں کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

اس مہینے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔۔صبر۔۔ اور ۔۔مؤاسات۔۔ کا مہینہ فرمایا ہے صبر یعنی ضبط نفس اور مؤاسات یعنی ہمدردی و غمخواری، یہ ماہ صبر اس لئے ہے کہ انسان کو اس میں اپنے بہت سے احساسات اور جذبات پر قابو رکھنا پڑتا ہے، اسے غصہ آئے تو گالی گلوچ نہیں کرتا کیوں کہ اس سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے، کوئی اسے مشتعل کرے تو آمادۂ جنگ نہیں ہوتا کہ یہ آداب صیام کے منافی ہے۔ وہ ہر قدم اٹھاتے ہوئے، ہر معاملہ کرتے ہوئے، دکان کا سودا بیچتے ہوئے اور کوئی بات کہتے ہوئے بڑا محتاط ہوتا ہے کہ میں روزے سے ہوں، اور روزہ بندے کے اندر خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد اور یقین بڑھا دیتا ہے کیوں کہ روزہ خالص اللہ کے لئے

رکھا جاتا ہے اور اللہ اس عمل پر گواہ ہوتا ہے، اسی طرح صبر اور ضبط نفس کے اور بھی مراحل ہیں، سخت پیاس میں سامنے لذیز شیریں اور خنک مشروب رکھا ہو مگر روزہ دار کبھی بے خود نہیں ہوتا اور اپنی پیاس پر قابو رکھتا ہے، سخت بھوک کے عالم میں ہوش اڑا دینے والے اور بھوک بڑھا دینے والے گرم، خوشبودار اور لذت سے بھرپور انواع و اقسام کے کھانے اس کے صبر و ضبط کا امتحان لیتے ہیں لیکن وہ سرخرو ہوتا ہے۔ اس مہینے کو ''مواسات'' یعنی ہمدردی کا مہینہ ان معنوں میں کہا گیا کہ روزے کی حالت میں انسان بھوک پیاس کی جس کیفیت سے گزرتا ہے اس سے اس کے اندر یہ احساس ابھرتا ہے کہ یہ بھوک پیاس کیسی تکلیف دہ چیز ہے مگر میں نے تو یہ سب کچھ ازرہ فرض اور حصول ثواب کی غرض سے برداشت کیا ہے مگر ان بے چاروں پر کیا حالت گزرتی ہوگی جو غربت کے باعث اس آزمائش سے گزرتے ہیں اور جن کا سارا سال اسی حال میں گزر جاتا ہے، انسان سوچے تو رمضان کے روزے اس کے لئے دینی و ملی اور روحانی و سماجی اعتبار سے بہت بڑا ریفریشر کورس یعنی تربیتی نصاب ہیں، جو بندے کی ظاہری و باطنی اصلاح کے لئے بڑا موثر اور کارگر ہے۔

OOOO

Marfat.com

یہ لوگ بھی غضب تھے

''اگر میں حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان کھڑا ہو کر قسم کھاؤں کہ میں نے دنیا میں مولاناؒ سے بڑھ کر کریم، درہم و دینار سے بے تعلق اور کتاب و سنت کا پیرو نہیں دیکھا، تو میں اپنی قسم میں جھوٹا نہیں ہوں گا''

یہ دل کے تار ہلا اور غنچہ روح کھلا دینے والا خراج عقیدت ندوۃ العلماء لکھنو کے ناظم اعلیٰ اور عرب و عجم کی انتہائی مقتدر اور معروف علمی شخصیت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے والد گرامی سید عبدالحیؒ کا ہے جو انہوں نے بصد شوق وارادت حضرت مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں پیش کیا ہے، مولانا فضل رحمٰنؒ کے تفصیلی حالات تو سید عبدالحیؒ کی ضخیم اور دقیع کتاب ''نزہتہ الخواطر'' کی آٹھویں جلد میں ملتے ہیں، اس وقت صرف بطور تبرک ان کا تذکرہ مقصود ہے، تاکہ کچھ ساعتیں اس اللہ والے کی یاد میں بسر ہوں جس کی پوری عمر تقویٰ، توکل اور تلقین میں گزری، تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کتاب و سنت سے بال برابر انحراف نہ خود کیا اور نہ کسی ہم نشین کو کرنے دیا۔ توکل کی کیفیت یہ تھی کہ عمر بھر جس حجرے میں رہے اس کا کواڑ تک نہیں لگوایا، کپڑوں کے صرف دو جوڑے رکھے ایک پہننے کے لئے دوسرا دھو کر سکھانے کے لئے، نواب حبیب الرحمان خان شیروانی (نواب صدر یار جنگ) کہا کرتے تھے، شیروانی صاحب مولانا ابوالکلامؒ کے خاص الخاص احباب میں سے ہیں۔

''کسی کو زمانے کا جنیدؒ اور وقت کا شبلیؒ دیکھنے کا شوق ہو تو وہ حضرت مولاناؒ کی زیارت کر لے''، تلقین سے اس درجے عشق تھا کہ ہر بات میں کوئی نہ کوئی نصیحت کا پہلو نکال لیتے۔

آپ کے حلقہ ارادت میں بڑے بڑے امراء، رؤسا، علماء حکام اور مشائخ تھے مگر

Marfat.com

کیا مجال کہ ان سے کچھ لیا ہو، یا کوئی کام کیا ہو، یا ان کی وجہ سے اسباب دنیا کی طرف دھیان دیا ہو، غیرت فقر کی ہر آن حفاظت کی اور عمر بھر اپنا رہن سہن شاہانہ نہیں فقیرانہ رکھا، مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی کتاب ''ارواح ثلاثہ'' میں لکھتے ہیں:

''ایک بار اودھ اور حیدر آباد کا انگریز لیفٹنٹ گورنر بڑی آن بان اور سج دھج سے گنج مراد آباد میں آیا، اور مولانا سے اشتیاق ملاقات ظاہر کیا، آپ نے لوگوں سے فرمایا، میاں! میں تو فقیر آدمی ہوں گورنر صاحب کے بیٹھنے بٹھانے کا میرے ہاں اہتمام کیسے ہوگا؟ چلو کہیں سے ایک کرسی منگا لیں گے، تاریخ اور وقت طے ہوگیا مگر مولاناؒ اس بات کو بھول گئے، جب گورنر اپنی لیڈی کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تب آپ کو یاد آیا، آپ نے خاتون کو دیکھے بغیر ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کو کہا اور گورنر کھڑا رہا، رخصت ہوتے وقت گورنر نے تبرک مانگا تو آپ نے فرمایا بھائی دیکھو کچھ ہنڈیا میں پڑا ہو تو دے دو، مٹھائی کا چورا نکلا اور آپ نے گورنر کو دے دیا، اس نے نصیحت چاہی آپؒ نے فرمایا۔۔۔ظلم مت کیا کرو۔۔۔''

ایک اور موقع پر انگریز گورنر نے خانقاہ کے بارے میں کہا کچھ اسباب کی ضرورت ہو تو میں ملکہ معظّمہ کو لکھوں؟ آپ نے فرمایا: ''خدا کا دیا سب کچھ ہے، دو جوڑے کپڑے، دو مٹی کے لوٹے اور دو گھڑے موجود ہیں اور کیا چاہیے؟''

مولانا محبّ اللہ امروہوی بیان کرتے ہیں:

''ہم نے حضرت شاہ فضل رحمٰنؒ کی خدمت میں مل کر گزارش کی کہ کبھی ریاست رام پور تشریف لے چلئے۔ والی ریاست نواب کلب علی خاںؒ آپ کے دیدار کے بڑے مشتاق ہیں، آپ کے وہاں جانے کی صورت میں وہ ایک لاکھ روپیہ نذر کریں گے، مگر آپ جس طرح پہلے باتیں کر رہے تھے اسی طرح بات کو جاری رکھا اور پیش کش سنی ان سنی کر دی، جب ہم نے دوبارہ عرض کیا تو فرمایا میاں چھوڑو اس بات کو، اور سنو:

جو ہم دل پہ اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

اور پھر وہی سوز و عشق کی کہانی بیان کرتے رہے''

Marfat.com

سچ ہے خدائے بے نیاز کے در پر دامن پھیلانے والے دو عالم سے بے نیاز ہو جاتے اور اس کی گلی میں بستر لگانے والے کسی دوسرے کوچے کی پھیری لگانے سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ حب جاہ اور حب مال کس کے دل میں کروٹیں نہیں لیتی؟ کون ہے جس کے قدم یہاں لغزش نہیں کھاتے؟ اور کتنے لوگ ہیں جو اس مشکل گھاٹی کو عبور کر پاتے ہیں؟ بہت کم، خال خال، ہاں البتہ جو خدا کی پناہ میں آ جائیں وہ حب جاہ کے فتنے سے بچ جاتے ہیں اور جو حسن اعمال کی دولت سے بہرہ مند ہوں ان کے دل حب مال سے محفوظ ہوتے ہیں:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بہ جریدۂ عالم دوام ما

OOOO

Marfat.com

دوپٹہ فریادی ہے

یوں تو پوری دنیا کی اور بالخصوص پاکستانی عورت اس وقت ۔۔ دوراہے پر۔۔ ہے، ایک طرف اسلامی تہذیب ہے اور دوسری جانب مغربی تہذیب، عورت کے بارے میں ان دونوں تہذیبوں کا PERCEPTION کلی طور پر اور یکسر مختلف ہے، ان دونوں تہذیبوں کا ذہنی وفکری اور سماجی واخلاقی فاصلہ گویا قطبین کا فاصلہ ہے۔

کوئی بے سروپا پراپیگنڈے کا شکار ہو، مغربی ذرائع ابلاغ سے مسحور ہو، نگار خانوں کی چکا چوند سے مرعوب ہو، اور ادھر ادھر کی باتوں سے متاثر ہو تو الگ بات ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب دنیا کی واحد تہذیب ہے جس نے عورت کو ایک۔۔ مکمل فرد۔۔ کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ اس کی شخصیت کا اعتراف کیا ہے، اس کے تشخص کو مانا ہے، اس کے وجود کو محسوس کیا ہے اور اس کے حقوق کا تحفظ کیا ہے، اسلام نے حقوق اور ذمہ داریوں کا دائرہ الگ کر کے مرد اور عورت کے مقام کا واضح طور پر تعین کیا ہے، تاکہ معاشرہ فساد کا شکار نہ ہو، جب کہ دوسری تہذیبیں افراط وتفریط کا شکار رہی ہیں، کہیں عورت کو کال کوٹھڑی میں ڈالا گیا اور کہیں اسے چوک میں کھڑا کر دیا گیا، جب کہ اسلام نے عورت کو کال کوٹھری سے نکال کر اور چوک سے واپس لا کر گھر کا اہم فرد اور خاندان کا لازمی جزو بنا دیا ہے۔

مختلف ادوار میں مختلف مذاہب اور تہذیبوں نے عورت کو ''پاؤں کی پیداوار'' ''گناہ کا دروازہ'' ''ام المسائل'' اور ''لاینحل فتنہ'' قرار دیا مگر اسلام نے عورت کو ''ماں'' کہہ کر احترام کے مقام پر فائز کیا، ''بہن'' کہہ کر بھائی کا مان بڑھا دیا، ''بیٹی'' کہہ کر پیار اور شفقت کا سرچشمہ بنا دیا اور ''بیوی'' کہہ کر اسے گھر کی مالکن بنا دیا۔

اس وقت جادو کی طرح سر پر چڑھ کر بولنے والی مغربی تہذیب نے اپنے آپ کو

سب سے زیادہ حقوق نسواں کا علمبردار قرار دیا ہوا ہے، جب کہ نسوانی حرمت کی توہین جس قدر اس تہذیب کے ہاتھوں ہوئی ہے شاید قرون مظلمہ بھی اس کا مقابلہ نہ کر پائیں، وہ مغربی تہذیب ہے جس نے عورت کی عصمت و عفت کو دلائل کے زور پر رجعت اور پسماندگی ثابت کیا، اس کے چہرے سے نقاب نوچا، اس کے سر سے دوپٹہ اتارا، اس کے پاؤں میں گھنگھرو باندھے، اسے شمع محفل بنا دیا، اسے نائٹ کلب کی راہ دکھائی، اس کے ڈانس کو فن قرار دیا، اس کی نسوانیت کا مذاق اڑایا، اس کے ایک ایک عضو کو نمائش گاہوں کی زینت بنایا، اس کی فطری حیا کو بے باکی میں بدلا، اسے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے منصب سے ہٹا کر ہوٹلوں کی ویٹرس، جہازوں کی ہوسٹس، فلموں اور ڈراموں کی ایکٹرس اور مصنوعات کی تشہیر کے لئے ماڈلز بنا کر رکھ دیا، یہ عورت کی تکریم نہیں توہین ہے، اسلام نے عورت کو گھر کی زینت بنا کر اسے ہولناک نظروں سے محفوظ کیا، بیہودہ فقرہ بازیوں سے بچایا، جنس کے بیوپاریوں سے امان دی اور بازار کی آوارگی سے تحفظ عطا کیا، لیکن اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ عورت کو اپاہج بنا کر رکھا جائے، عورت بازار میں جا سکتی ہے مگر وقار کے ساتھ، بڑی چادر یا گھونگھٹ نکال کر، اسے ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر وغیرہ بننے سے اسلام نہیں روکتا مگر نسوانی شان اور وقار کے ساتھ، عورت کے معاشرے کے کارآمد حصہ بننے پر نہ اسلام کو کوئی اعتراض ہے اور نہ خدا اور رسولؐ نے کوئی قدغن لگائی ہے، اسلامی تہذیب صرف عورت کو مرقع عفت اور پیکر عصمت بنانا چاہتی ہے اور یہی عورت کا اعزاز ہے، علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

بتولےؓ باش و پنہای شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرےؓ بگیری

(تو سیدہ فاطمہؓ کی طرح بن کر رہ اور دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہو تا کہ تیری گود میں حسینؓ جیسے سپوت پرورش پا سکیں)

مغربی ممالک میں عورت جس قدر ذلیل و رسوا ہو رہی ہے اور اسے جس طرح ایک "فحش اشتہار" کا درجہ دے دیا گیا ہے اس سے صرف ذہنی و جنسی مریض متاثر ہو سکتے ہیں کوئی معقول اور باہوش مرد اور عورت اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔ مغرب

Marfat.com

میں خاندان تباہ ہو گئے، مقدس رشتے پامال ہو گئے، اور طلاقیں روزمرہ کا معمول بن گئیں ہیں کیا مغرب کا یہی تہذیبی شاہکار ہے جسے وہ دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے عورت کی چال کو تقدس بخشا کہ وہ ایسا لباس پہن کر نکلے کہ کوئی فتنہ جو غلط نگاہ نہ ڈال سکے، اسلام نے عورت کے پاؤں کی آہٹ کو تقدس بخشا کہ وہ چھنکتے زیور پہن کر نہ چلے مبادا کوئی اس کا غلط مفہوم لے بیٹھے، اسلام نے عورت کے چہرہ کو تقدس بخشا کہ وہ حجاب کے ساتھ باہر نکلے تاکہ جنسی بھوک میں مبتلا نگاہیں اس پر حملہ آور نہ ہوں، اسلام نے عورت کی آواز کو تقدس بخشا کہ وہ جب کسی مرد سے بات کرے تو محکم لہجے میں کرے تاکہ اس کی آواز کا لوچ کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دے، اور اسلام نے عورت کے ہاتھ کو تقدس بخشا کہ وہ کسی مرد سے مصافحہ نہ کرے تاکہ اس کے ہاتھ غیر کے لمس سے بچے رہیں، دوپٹے سے عاری سر، حجاب سے بے پروا چہرے، ہوا میں لہراتے بال، تھیٹروں میں اچھلتے جسم، فلموں میں مٹکتی آنکھیں اور ڈراموں میں ذومعنی مکالمے عورت کی تکریم نہیں سراسر توہین ہے۔ کاش! خود عورت کو اس کا احساس ہو!

OOOO

Marfat.com

حکیم لقمان کا انداز تشکر

دکھ اور سکھ، مصیبت اور راحت، غربت اور امارت، صحت اور بیماری یہ ساری کیفیات انسانی زندگی کا لازمہ ہیں۔ گردش لیل و نہار سے فرار ممکن نہیں، دن پھرتے دیر نہیں لگتی، سکھی کبھی دکھی بھی ہو سکتا ہے، خوشی غمی میں بدل سکتی ہے، خوشحالی بدحالی کا روپ دھار سکتی ہے اور صحت کو بیماری کا گھن لگ سکتا ہے، یہ سرد و گرم ہوتا رہتا ہے، اور یہی وہ لمحے ہوتے ہیں جب انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ بندۂ خدا ہے یا بندۂ نفس؟ عمر بھر اچھی صحت سے لطف اندوز ہونے والا معمولی سی بیماری میں صبر و شکر کرتا ہے یا جزع فزع؟ لاکھوں میں کھیلنے والا ذرا سی مالی تنگی پر سراپا وقار رہتا ہے یا ضبط کے سارے بندھن توڑ کر سراپا شکایت بن جاتا ہے؟ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کہ دکھ میں خدا کو یاد کرنے والا سکھ میں اسے بھول جاتا ہے، مصیبت میں سجدے کرنے والا راحت ملنے پر غافل ہو جاتا ہے، غربت میں خدا کے حضور جھکنے والا امارت میں متکبر ہو جاتا ہے اور بیماری میں دعائیں کرنے والا صحت ملنے پر غرہ ہو جاتا ہے، ایک بندۂ مومن کسی بھی موڑ پر شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، کہ یہی شان بندگی اور تقاضہ عبودیت ہے۔

مولانا رومؒ نے حکیم لقمان کے حوالے سے بڑی حکمت آموز حکایت بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

''لقمان ایک دور میں کسی کے غلام تھے مگر بڑے مہذب، مؤدب اور سلیقہ شعار۔ ان کا آقا بھی ان پر بہت مہربان اور شفیق تھا، اور لقمان اپنی اچھی عادات کے باعث دوسرے غلاموں کے مقابلے میں اپنے آقا کا بڑا اعتماد حاصل کر چکا تھا، آقا ان سے ہر بات میں مشورہ کرتا، گاہے گاہے اپنے دستر خوان پر انہیں مدعو کرتا اور کھانے پہننے میں دوسروں کی نسبت انہیں ترجیح دیتا، ایک بار کہیں سے خربوزے آئے تو آقا نے خوش ہو

کر لقمان کو بلایا اور خربوزہ کاٹ کر اس کی قاشیں اپنے ہاتھ سے لقمان کو کھانے کے لئے دیں۔ حکیم لقمان بڑے شوق، بڑی رغبت اور بڑے انہماک سے خربوزہ کھاتے رہے، حتیٰ کہ سترہ قاشیں اسی طرح کھا گئے، باقی غلام بڑے رشک اور حسرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور انہیں لقمان کی اس عزت افزائی پر ایک گونہ حسد محسوس ہو رہا تھا، جب آخری قاش بچ گئی تو آپ کے آقا نے اسے خود کھانا چاہا جب قاش آقا کے منہ میں گئی تو اس کا چہرہ بگڑ گیا، وہ خربوزہ کیا تھا گویا اندرائن تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ تلخ، آقا نے خربوزے کا وہ ٹکڑا اخ تھو کر کے باہر نکال دیا، اور لقمان سے پوچھا اس قدر کڑوا اور بدذائقہ خربوزہ تم کس خوشی میں اتنی رغبت اور چاہت سے کھا رہے تھے؟ یہ کھانے کے تو کیا چکھنے کے قابل بھی نہیں تھا، تمہیں چاہیے تھا کہ اس کی کڑواہٹ اور اپنی ناگواری سے مجھے آگاہ کر دیتے۔ لقمان نے جواب دیا، میرے آقا! میں نے ایک مدت آپ کے خوان نعمت سے انواع و اقسام کے کھانے کھائے اور لذیذ و شیریں اشیاء سے لطف اندوز ہوا، مجھے بہت ندامت محسوس ہوتی اور یہ میرے لئے باعث شرم بات ہوتی کہ میٹھی چیزیں تو خوشی سے کھاؤں اور تلخ چیز سے ہاتھ کھینچ لوں، مجھے اشیاء سے نہیں تیرے دست عطا سے غرض ہے، اس ہاتھ سے جو بھی ملے میرے لئے ایک نعمت ہے، اگر میں تلخیوں پر واویلا کروں تو یہ غلامی نہ ہوئی نفس پرستی ہوئی''

حضرت لقمان کا اپنے آقا کے ساتھ یہ معاملہ درحقیقت ایک رمز اور علامت ہے تشکر اور بندگی کی، انسان پوری زندگی میں اللہ کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے اس کا ایک ایک لمحہ خدا کی نعمت سے گندھا ہوا ہوتا ہے، مگر کتنی ناشکری کی بات ہے کہ ذرا سی تکلیف پر بندہ شکایات کا دفتر کھول بیٹھے اور لمحوں کی کلفت کو برسوں کی راحت پر بھاری سمجھ کر آداب شکر بھول جائے۔

برسوں رہے ہیں ہم پہ کرم ہائے روزگار
اک بے رخی پہ روٹھنا شرط وفا نہیں

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی نفسیات کا ان الفاظ میں احاطہ کیا ہے:

''انسان بہت جلد باز ہے'' (بنی اسرائیل: 11) ''بے شک انسان اپنے رب

Marfat.com

کے بارے میں ناشکرا واقع ہوا ہے" (العادیات:6) اور " بے شک انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے" (المعارج:19)

انسان اگر خوش رہنا چاہتا ہے تو وہ اپنی مرضی کو خدا کی رضا سے ہم آہنگ بنا دے، پھر وہ گردش حالات کے ہاتھوں کبھی تنگ نہیں ہوگا، کم ہمتی، ناشکری اور جلد بازی سے مصائب ختم نہیں ہوتے الٹا احساس اذیت بڑھ جاتا ہے اور بندے کو رنجور اور مایوس کر دیتا ہے۔

OOOO

روزہ

اسلام کے متفق علیہ چار بنیادی ارکان میں روزہ ایک انتہائی اہم رکن ہے، چنانچہ کسی بھی عملی مسلمان کے لئے یہ اصطلاح ضرور استعمال ہوتی ہے جب کسی کا ذکر اس کے نیک اور پرہیزگار ہونے کے حوالے سے کیا جائے کہ فلاں شخص ''پابند صوم وصلوٰۃ'' ہے، یہ اصطلاح مستعمل، مروج اور عام ہے، قرآن وحدیث میں روزے کی فرضیت، اہمیت، اور فضیلت جابجا ملتی ہے، اور اس کے احکام کی تفصیل بھی قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ میں موجود ہے، روزہ اگرچہ ہر دور اور ہر مذہب میں لازم رہا ہے لیکن اسلام میں اس کا تصور سب سے جداگانہ ہے، روزہ نہ تو کوئی سزا ہے، نہ محض فاقہ کشی، نہ ترک دنیا، نہ اللہ کی نعمتوں سے گریز، نہ اذیت نفس، اور نہ ہی کوئی ایسا عمل ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ خدا اپنے بندوں کو بھوکا پیاسا رکھنا اور انہیں اس حال میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے، بلکہ یہ ایک انتہائی نتیجہ خیز اور بامقصد مشق ہے جسے اختیار کر کے بندہ ان بہت سی خواہشات پر قابو پا کر اپنے آپ کو منضبط اور حوصلہ مند بنا لیتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر انسان اور حیوان کے درمیان فرق نہیں رہ جاتا، روزے کے دینی پہلو بھی ہیں، معاشرتی زاویے بھی ہیں، طبی فائدے بھی ہیں اور روحانی گوشے بھی، روزہ کا عمل اس کے لوازم سمیت بروئے کار لایا جائے، روزے کے بارے میں جو تعلیمات اور ہدایات کتاب و سنت میں ملتی ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ روزے کا عمل دیگر مذاہب کی طرح ''مشقت برائے مشقت'' کا نہیں بلکہ ''صبر برائے اجر'' کا ہے، اور کوئی پابندی ایسی نہیں جو تکلیف مالا یطاق اور ناقابل برداشت بوجھ کے زمرے میں آتی ہو، مثلاً روزہ رات دن کا نہیں بلکہ صرف دن کا ہے، صبح کے وقت سحری اور شام کے وقت افطاری نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور بابرکت ہے، سال بھر میں صرف ایک ماہ روزے کے لئے

Marfat.com

خاص ہے، روزے کو شمسی تقویم سے نہیں قمری کیلنڈر سے منسلک کیا گیا ہے، تاکہ نہ یہ غیر ضروری مشقت بنے اور نہ یہ محض تفریح طبع، بلکہ ہر موسم میں یہ روحانی تجربہ کیا جائے، رمضان کبھی مئی جون میں آتا ہے اور کبھی دسمبر اور جنوری میں، کبھی گرمیوں میں اور کبھی سردیوں میں اور کبھی ہلکے پھلکے موسم میں جیسے مارچ اپریل یا اکتوبر اور نومبر میں، بہت بوڑھے، مریض، مسافر، دودھ پلانے والی عورتیں اور بچوں کے لئے تخفیف ہے، بعض کے لئے بالکل معافی اور بعض صورتوں کے لئے قضا ہے، روزے کے دوران صرف تین چیزیں ممنوع ہیں کھانا، پینا، اور مرد عورت کی جنسی قربت، باقی معمولات پر کوئی قدغن نہیں، روزہ دار دن بھر گھونگھٹ نکال کر نہ رہے، اور نہ ہی افسردہ و پژمردہ، اس لئے اسے نہانے، سرمہ لگانے، سر میں تیل ڈالنے اور مسواک کرنے کی کوئی ممانعت نہیں، پہلے طریقوں کے برعکس اسلام نے رات کو بیوی کے ساتھ شب باشی کی اجازت دی ہے، بھول چوک سے کوئی روزہ دار پیٹ بھر کر بھی کھانا کھالے تو کوئی حرج نہیں اور نہ اس کے ثواب میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے، گویا اسلام نے روزے کو ہر عاقل، بالغ اور صحت مند مسلمان کے لئے قابل عمل بنا دیا ہے، کوئی پیدائشی بہانہ خور اور کام چور ہو تو الگ بات ہے ورنہ روزہ رکھنے میں اس کے لئے کوئی حیلہ اور بہانہ نہیں چھوڑا گیا، جو چیزیں فطرت، انسانی ضرورت اور طبیع حاجت کے مدنظر قابل توجہ تھیں اسلام نے انہیں پہلے ہی رخصت میں شامل کر دیا، جیسے کسی بہت زیادہ عمر رسیدہ کا ہونا، کسی کا دائم المریض ہونا اور کسی کا سفر کی حالت میں ہونا وغیرہ، اسلام کے دیگر ارکان اور احکام کی طرح روزے میں بھی کہیں افراط و تفریط کا رنگ نظر نہیں آتا، اسی لئے اسلام پر ''دین فطرت'' کی قبا زیب دیتی ہے، اسلام اپنے پیروکاروں کو نہ تو معصوم عن الخطاء ''فرشتہ'' بناتا ہے اور نہ بے لگام ''حیوان'' بلکہ وہ انہیں ''انسان'' ہی رکھنا اور دیکھنا چاہتا ہے، روحانی لوازم کی طرح ان کے مادی حوائج کو بھی پوری اہمیت دیتا ہے، اور ان پر کوئی ایسا حکم نہیں لگاتا جو انسان کے لئے ناقابل عمل اور ناقابل برداشت ہو۔

OOOO

Marfat.com

نہ ترک دنیا نہ غرق دنیا

ہر انسان جو اس دنیا میں سانس لیتا ہے اسے وسائل اور اسباب کی ضرورت ہے، بھوک مٹانے کے لئے روٹی، پیاس بجھانے کے لئے پانی، رہنے کے لئے مکان، پہننے کے لئے کپڑا، سفر کے لئے سواری، اور علاج معالجہ، یہ بنیادی ضروریات ہیں، اس سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، انواع و اقسام کے کھانے، ایک سے ایک بڑھ کر مشروبات، کئی ایکڑوں پر محیط بنگلے، زرق برق ملبوسات، چمکیلی اور نئی نویلی گاڑیاں اور طبی معائنے کے لئے پورا میڈیکل بورڈ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو عیش پروری میں شامل ہیں۔

دنیا اور حصول دنیا کے بارے میں تین طرح کے نظریات ملتے ہیں۔

اولاً: جو مقدر میں ہے وہ مل جائے گا، خواہ مخواہ جان ہلکان کرنے کی ضرورت نہیں۔

ثانیاً: ہر حال میں اسباب و وسائل جمع کئے جائیں، ذرائع کا جائز و ناجائز ہونا ثانوی بات ہے۔

ثالثاً: مقدر اپنی جگہ، مگر جدوجہد لازمی ہے، حصول رزق کے لئے حلال اور موزوں ذرائع اختیار کرنا بنیادی ضرورت اور معاشرتی فریضہ ہے۔

ان میں پہلا طبقہ وہ ہے جو ترک دنیا کا قائل ہے، سست اور کاہل، نہ اپنے اہل و عیال کے لئے آسودگی پیدا کرتا اور نہ معاشرے کے پیداواری عمل کا حصہ بنتا ہے۔

دوسری سوچ کے لوگ غرق دنیا رہتے ہیں جس سے پورا معاشی سسٹم درہم برہم اور اخلاقی و معاشرتی نظام تہہ و بالا ہو کر رہ جاتا ہے، اور سوسائٹی کو حیوانی سطح پر لے آتے ہیں۔

آخر الذکر سوچ ان لوگوں کی ہے جو ترک دنیا اور غرق دنیا کے درمیان مناسب

اور ضروری فاصلہ رکھتے ہیں، نہ بیکار بیٹھتے ہیں اور نہ ہر ایک سے برسرپیکار رہتے ہیں، فرد اور اجتماع دونوں کے تقاضوں کو سمجھتے اور پورا کرتے ہیں، جدوجہد کا فریضہ خود سرانجام دیتے ہیں البتہ نتیجہ خدا پر چھوڑ دیتے ہیں، نہ الٰہی قوانین پامال کرتے ہیں اور نہ ملکی و معاشرتی ضابطے توڑتے ہیں، اپنی ذات کے لئے بھی تدبیر کرتے ہیں اور معاشرے کی تعمیر میں بھی شامل رہتے ہیں، یہی رویہ اسلامی، عملی، پیداواری اور مثالی ہے۔

اسلام دنیا کا واحد دین ہے جس نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور نوافل وصدقات کے ساتھ حصول رزق کی جائز جدوجہد اور حلال ذرائع کی تلاش کو باقاعدہ عبادت کا درجہ دیا ہے اور ایک انتہائی خوبصورت اور اعتدال پسندانہ موقف پیش کیا ہے، یعنی نہ ترک دنیا اور نہ غرق دنیا، ترک دنیا رہبانوں کا فلسفہ ہے اور غرق دنیا حیوانوں کا رویہ، جب کہ مسلمان رہبان نہیں ہوتا اور انسان ظاہر ہے حیوان نہیں، ترک دنیا اور غرق دنیا کے دونوں رویے حقوق العباد پامال کرنے کے ذریعے بنتے ہیں، پہلی شکل میں اولاد، بیوی اور زیر کفالت افراد بنیادی ضرورتوں اور جائز خوشیوں سے محروم ہوتے ہیں اور دوسری صورت میں ہزاروں افراد کا حق مارا جاتا ہے، تبھی تو چند ہاتھوں میں دولت سمٹتی ہے۔

کہیں کہیں یہ تصور بھی پایا جاتا ہے کہ جائز ذرائع میں رہ کر آدمی بہت سی آسودگیوں اور راحتوں سے محروم ہو جاتا ہے، اور مال و زر بہت سی مسرتوں کا سرچشمہ ہے، یہ دونوں خیال غلط ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ خوش حال وہی ہے جو ہر حال میں خوش رہے اس کا مال سے تعلق نہیں، اور مسرت وہی ہے جو چشمے کے پانی کی طرح دل سے پھوٹ پڑے، دولت اس کی ضمانت نہیں دے سکتی۔

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

OOOO

حکمت و دانش

ارشادِ خداوندی ہے ''جسے حکمت عطا کر دی گئی گویا اسے ''خیر کثیر'' حاصل ہو گئی'' (البقرہ: 269) حکمت و دانش کی اس خیر کثیر کا سب سے بڑا سرچشمہ انبیاء علیہم السلام کی قدسی صفات شخصیات ہیں یا پھر وہ لوگ جنہیں صحبت رسالت اور فیض نبوت سے وافر حصہ ملا، اس لئے کہ دانش نبوت محض دانش برہانی نہیں ہوتی بلکہ دانش ربانی ہوتی ہے، ان کے ذہن ان کی زبان اور ان کی سوچ دراصل خدا کی نگرانی و نگہبانی میں ہوتی ہے اس لئے ان کا خیال اور ان کا اظہار کلام خدا کا پرتو ہوتا ہے، اور جن لوگوں کو انبیا کرام سے براہ راست فیض حاصل کرنے کا موقع ملا، جہاں ان کے کردار میں نبوی فیض کی جھلک ہوتی ہے وہاں ان کی گفتار بھی اس فیض کی ترجمان بن جاتی ہے، اربابِ علم و حکمت اور اصحابِ فکر و دانش بہت ہوئے اور سبھی قابل احترام ہیں، کنفیوشس، سقراط، بقراط، ارسطو، افلاطون، بدھ، مہادیرا، تاؤ، دیوجانس کلبی، ارشمیدس، فیثاغورس، یہ سب لوگ علم و حکمت کا بڑا معتبر حوالہ ہیں، لیکن کلام میں جو صداقت، انداز میں جو بلاغت، فکر میں جو بصیرت، لہجے میں جو حلاوت اور الفاظ میں جو برکت انبیاء کرام اور صحابہ عظام کے ہاں ملتی ہے وہ کسی دوسرے کے ہاں بہت کم نظر آتی ہے۔

شہر حکمت کے باب عظیم حضرت علیؓ انہی بلند و بالا شخصیات میں سے ہیں جنہیں قرب اور فیض رسالتؐ میں سے وافر حصہ ملا، انہیں اگرچہ کسی یونیورسٹی کی ڈگری نہیں ملی تھی مگر ان کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ دنیا بھر کی جامعات کے سرمایہ علمی پر بھاری نظر آتا ہے اور ان کے سر پر کسی درس گاہ کی دستار فضیلت بھی نہیں باندھی گئی مگر زمانے بھر کے صدر المدرسین ان کے مکتب کے ادنیٰ شاگرد معلوم ہوتے ہیں، یہ سب کچھ مکتب کی کرامت نہیں بلکہ فیضان نظر کا اعجاز تھا، ''نہج البلاغہ'' حضرت علیؓ کے

Marfat.com

مکتوبات، ملفوظات، خطبات اور مکالمات کا مجموعہ ہے، یہ کتاب حکمت و دانش کے ساتھ ساتھ ادب و انشاء کا بھی ایک شاہکار ہے، جملوں کی بندش، لفظوں کا انتخاب، اسلوب کا حسن اور مطالب و معانی کا سیل رواں صاف پتہ دیتا ہے کہ ایسی باتیں کہنے والا ضرور مکتب نبوت کا فیض یافتہ ہے، اس گل صد برگ کی چند پتیاں ملاحظہ فرمایئے۔

زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دنیا کے معاملہ میں یوں زندگی گزارو جیسے تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور آخرت کے لئے یوں کام کرو گویا تمہیں کل مر جانا ہے'' آگے چل کر فرماتے ہیں:

''لوگوں سے اس طرح میل جول رکھو کہ جب تک زندہ رہو لوگ ملنے کے مشتاق رہیں اور جب دنیا سے چلے جاؤ تو لوگ تمہاری جدائی پر گریہ کریں''

''جب دنیا کسی پر مہربان ہوتی ہے تو دوسروں کی خوبیاں بھی اسے مستعار دے دیتی ہے اور جب پیٹھ پھرتی ہے تو اس کی اپنی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے''

''مجھ سے چار باتیں سیکھ لو، سب سے بڑی تونگری عقل ہے، اور غربت بیوقوفی ہے، میرے بیٹے، احمق کی صحبت سے پرہیز کرو، وہ اپنے طور پر تمہیں نفع پہنچانے کی کوشش کرے گا مگر نتیجے میں تمہارا نقصان کر بیٹھے گا، بخیل کی دوستی سے بچو کہ وہ تمہیں جائز ضروریات سے بھی محروم کر دے گا، فاسق و فاجر کی رفاقت سے گریز کرو کہ وہ تمہیں سستے داموں بیچ آئے گا، اور جھوٹے کو دوست نہ بناؤ کہ وہ سراب کی مانند دور کی چیز قریب اور قریب کی چیز دور کر کے دکھائے گا''

اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا اسلوب بتاتے ہوئے آپ کہتے ہیں:

''اللہ کی نافرمانیوں سے بچتے رہو کہ وہی گواہ بھی ہے اور کل کو حاکم بھی وہی ہوگا''

کم ظرف سے معاملہ آپڑے تو آپ نصیحت کرتے ہیں:

''ضروریات کا پورا نہ ہونا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ کسی کم ظرف سے کوئی سوال کیا جائے''

معرفت الٰہی کا راز یوں کھولتے ہیں:

''میں نے اللہ کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا، کسی کام کا عزم مصمم کچھ نہ

Marfat.com

کر سکا اور پھر غیر متوقع طور پر مشکلات کی گرہیں کھلنے لگیں اور یہی خدا کے مالک و قادر ہونے کی دلیل ہے"

خودی اور خودداری کا فلسفہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"اصل تمنا آرزوؤں کو ترک کر دینے کی کرنی چاہیے۔ جس کی امیدیں بڑھتی جاتی ہیں اس کے اعمال بگڑتے جاتے ہیں"

دانش علویؓ کا یہ رنگ بھی دیکھنے کے قابل ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"اے اولاد آدم! جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ تم پر برابر نعمتیں نازل فرما رہا ہے جب کہ تو اس کی نافرمانی پر کمربستہ ہے تو اس لمحے سے خوف کھاؤ کہ کہیں یہ آزمائش کا انداز نہ ہو"

یہ نہج البلاغہ کی چند جھلکیاں ہیں، ورنہ اس کے مندرجات ایک ایسا سدا بہار گلشن ہے جس کے برگ و گل نہ کبھی بوسیدہ ہوں گے اور نہ خزاں رسیدہ، اور ہر گل کا رنگ صبا اور خوشبو منفرد ہے۔

OOOO

Marfat.com

خون شاہ رنگیں تر از معمار نیست

اسلامی تہذیب اس اعتبار سے بہت باثروت اور اسلامی تاریخ اس لحاظ سے بہت دولتمند ہے کہ اس کے دامن میں بے شمار ایسے واقعات موجود ہیں جو اسے پاکیزہ، برتر اور قابل تقلید بناتے ہیں۔ وہ اسلامی تاریخ و تہذیب ہے جو انسان کو رنگ و نسل اور زبان و زر کی عینک سے نہیں دیکھتی بلکہ اس کا پیمانہ قدر و قار صرف تقویٰ اور حسن کردار ہے، کوئی رنگ کا سیاہ اور پیشے کے لحاظ سے کفش دوز ہو، اسلام اسے حقیر نہیں جانتا اور اسی طرح کوئی فصیح اللسان عربی اور انتہائی مالدار ہو تو بھی اسلام کی نظر میں اسے کوئی خصوصی اہمیت اور فوقیت حاصل نہیں، اسلام کا سماجی اور قانونی رویہ اس بات میں مساویانہ ہے، وہ انسانی امیال و عواطف اور رجحانات و امتیازات سے متاثر ہو کر انسان کی درجہ بندی نہیں کرتا بلکہ خدائی تعلیمات کی روشنی میں کسی کی حیثیت متعین کرتا ہے، بالخصوص قانونی دائرے میں تو وہ کسی کو ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں، خواہ امیر المومنین ہو یا اس کا جگر گوشہ حضرت عمرؓ کا اپنے بیٹے کے خلاف ایکشن لینا، اور حضرت علیؓ کا اپنے ہی قاضی کی عدالت میں بلا تکلف اور عام شہری کی حیثیت میں پیش ہونا اس روشن تہذیب اور توانا تاریخ کے سنگ ہائے میل ہیں، اور باقی انسانی تاریخ کا سفر انہی حوالوں سے طے ہو رہا ہے، جب غسان کا امیر جبلہ بن ایہم دوران طواف ایک بدو کو اس لئے تھپڑ مار دیتا ہے کہ اس کا پاؤں والی غسان کے پاؤں پر بے خبری میں پڑ گیا تھا، تو اس کے نالش کرنے پر امیر المومنین حضرت عمرؓ نے جبلہ بن ایہم کی سرعام سرزنش کی اور اس کا جرم ثابت ہونے پر بدو سے کہا کہ ”تم بھی اسے اسی طرح مارو جس طرح اس نے تمہیں مارا تھا“

یہ فیصلہ سن کر والی غسان کے ماتھے پر سلوٹیں آ گئیں اور اس کا چہرہ ناگواری کے

آثار سے لال ہو گیا اس نے کہا یا امیر! ''کیا آپ ایک کوچہ گرد کے لئے بادشاہوں سے قصاص لے رہے ہیں؟'' تو آپ نے برجستہ فرمایا:

الاسلام سوىٰ بينكما ''اسلام نے تم دونوں کو برابر کر دیا ہے''

اور اسی طرح اسلامی تاریخ کا وہ معروف مستند واقعہ جو عالمی ادبیات میں ایک افسانوی شہرت حاصل کر چکا ہے، ہر صاحب علم و دانش کو یاد ہے، جب ترکی کے سلطان مراد نے ایک معمار کا ہاتھ کٹوا دیا تھا کہ اس نے مسجد کی ایک دیوار ذرا ٹیڑھی کر دی تھی، جو بدنما لگ رہی تھی، حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اس واقعے کو ''اسرار و رموز'' میں اپنے مخصوص الہامی انداز میں نظم کیا ہے جس کا ایک ایک لفظ اسلامی قانون کے شکوہ، اسلامی مساوات کے حسن اور اسلامی عدالت کے محکم انداز کو واضح کر رہا ہے، قاضی وقت نے معمار کا استغاثہ ثابت ہونے پر سلطان مراد کا ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کر دیا، علامہؒ کہتے ہیں:

گفت قاضی فی القصاص آمد حیات
زندگی گیرد بایں قانون ثبات

(قاضی نے کہا قصاص ہی میں زندگی ہے اسی محکم قانون کے باعث زندگی کی ضمانت ملتی ہے)

عبد مسلم کمتر از احرار نیست
خون شہ رنگیں تر از معمار نیست

(غلام مسلمان کا مرتبہ کسی بھی مرد آزاد سے کم نہیں اور بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگین نہیں)

چوں مراد ایں آیہ محکم شنید
دست خویش از آستیں بیروں کشید

(جب سلطان مراد نے یہ واضح آیت سنی تو اسنے اپنا ہاتھ کٹوانے کے لئے آستین سے باہر نکال لیا)

اس موقع پر اگرچہ انصاف کا روشن و بالا معیار دیکھ کر معمار نے سلطان کو معاف

Marfat.com

کر دیا تھا لیکن اقبالؒ کے الفاظ میں:

یافت مورے برسلیمانے ظفر
سطوتِ آئینِ پیغمبر نگر

(ایک معمولی چیونٹی نے سلیمان پر فتح حاصل کر لی، آئین پیغمبر کی شوکت وسطوت قابل دید ہے)

پیش قرآں مفیدہ و مولا یکے است
بوریا و مسند دیبا یکے است

(قرآن کے سامنے غلام اور آقا برابر ہیں، ٹاٹ اور ریشمی مسند میں کوئی فرق نہیں)

اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے ہو کر بھی آج دنیا اپنے درمیان جن گہرے اور مکروہ امتیازات کا شکار ہے اس کا ازالہ کسی یو این او چارٹر سے نہیں بلکہ آئین پیغمبرؐ سے ممکن ہے، اور آئین پیغمبر کیا ہے؟ کلکم بنوا آدم وآدم من تراب، تم سب اولاد آدم ہو، اور آدم مٹی سے تھے، پہلے کوئی سونے کا آدم ڈھونڈھا جائے، پھر رنگ ونسل کا امتیاز ثابت کیا جائے، اور یہ ظاہر ہے قیامت تک ممکن نہیں۔

OOOO

روپ، بہروپ

سیّد غوث علی شاہ قلندرؒ ہندوستان کی ایک طرحدار اور روحانی شخصیت ہیں، ان سے حکیم الامت علامہ اقبالؒ کو بھی عقیدت و ارادت رہی ہے، ان کا ''تذکرہ غوثیہ'' روحانی اور صوفیانہ واقعات و ارادت کا ایک مرقع تو ہے ہی اسے کلاسیکل اردو ادب میں بھی بڑا وقار اور مقام حاصل ہے۔ یہ صوفیاء اور ادباء کی خوبی ہے کہ وہ زندگی کے عمیق اور دقیق حقائق کو بڑی لطیف اور سلیس حکایات کے انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دل و دماغ انہیں قبول کرنے پر بہت جلد آمادہ ہو جاتے ہیں، اور یہی وعظ و تلقین کا مقصد اور ابلاغ کا حسن ہے کہ دل سے اٹھے اور دل پر جا بیٹھے۔ غوث علی شاہ قلندرؒ نے ایک موقع پر اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا واقعہ کچھ اس دلآویزی اور بلاغت آمیزی کے ساتھ تذکرہ غوثیہ میں لکھا ہے کہ انسان اس سے اچھا اور گہرا تاثر لئے بغیر نہیں رہتا، فرماتے ہیں:

''عالمگیر عہد میں ایک بہروپئے کو بڑی شہرت حاصل تھی اور اطراف و اکناف میں اس کے فن کے چرچے تھے، ایک روز وہ اورنگ زیب کے دربار میں پہنچا اور اپنے فن کے اظہار کی اجازت مانگی، چونکہ اورنگ زیب مزاجاً دین پسند اور نسبتاً متقشف واقع ہوا تھا اور اس طرح کی ناٹک بازیوں کو ناپسند کرتا تھا اس نے کہا کہ تمہارا بہروپ دراصل بے علم اور کمزور عقیدہ لوگوں کو متاثر اور مائل کرتا ہے ورنہ کوئی صاحب بصیرت، اہل علم اور صاف ستھرے عقیدے کا حامل ہو تو وہ اس طرح کی شعبدہ بازیوں پر نہ تو توجہ دیتا ہے، نہ انہیں اہمیت دیتا ہے اور نہ ان سے متاثر ہوتا ہے، تمہیں اگر اپنے فن پر ناز ہے اور تم اس کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہو تو ذرا مجھے قائل کر کے دکھاؤ، میں تمہارے چکر میں آنے والا نہیں، اور اگر تم اپنے فن میں کامیاب ہو گئے اور مجھے بھی دھوکہ دے گئے تو پھر

میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا، ورنہ میں نے ایسے کئی بازیگر دیکھے اور بھگتائے ہیں، وہ بہروپیا مصلحتاً خاموش ہو گیا اور کہنے لگا، بادشاہ معظم! میں کہاں اور حضور کی بصیرت اور فراست کہاں؟ حضور میں آپ کو اپنے بہروپ سے کیسے قائل کر سکتا ہوں؟ سرکار عالی مدار، یہ دھندے تو پیٹ کے ہیں اور عام لوگوں کے لئے۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور عالمگیر اپنی ذہانت پر خود بھی جھوم اٹھا، بہروپئے نے شاہی دربار سے جاتے ہی ایک بزرگ اور صوفی کا روپ دھارا اور کہیں بیٹھ گیا۔ پہلے اردگرد کے علاقوں میں اس کا چرچا ہوا پھر اس کا شہرہ قصبوں اور شہروں تک پہنچا، ہوتے ہوتے اس کا تذکرہ شاہی دربار میں ہونے لگا، اورنگ زیب چونکہ خود ایک متقی اور صوفی دوست شخص تھا اس نے اس بزرگ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ ظاہر کیا، وہ لاؤ لشکر سمیت اس بہروپئے کے پاس پہنچا، سلام کیا، بہروپئے نے بڑی بے رخی سے سلام کا جواب دیا، اور سر جھکا کر بیٹھا رہا۔ اس طرز عمل نے بادشاہ پر اس کی ولایت اور دنیا اور اہل دنیا سے بے نیازی کی دھاک بٹھا دی، عالمگیر نے چند باتیں کیں مگر وہ بہروپیا صرف ہاں ہوں کرتا رہا اور کسی بات میں دلچسپی نہ لی، اورنگ زیب مزید متاثر ہوا آخر کار اٹھنے لگا اور اجازت چاہی، جب بادشاہ اٹھ کر جانے لگا تو بہروپیا قہقہہ لگا کر سامنے آ گیا اور کہا: جہاں پناہ میں وہی بہروپیا ہوں جس کو آپ نے چیلنج دیا تھا کہ میں آپ کو اپنے فن کا قائل کر لوں تو منہ مانگا انعام پاؤں گا، بادشاہ ہار مان گیا اور کہا کہ تم اپنے فن کے ماہر نکلے ہو، تم جیتے اور میں ہارا، اب مانگو کیا مانگتے ہو؟ بس بادشاہ کا یہ کہنا تھا کہ بہروپیا چیخ مار کر وہاں سے یہ کہتے ہوئے چل دیا، ''یہ تو میں نے اللہ کا نام اور اہل اللہ کا حلیہ صرف جھوٹ موٹ سے لیا اور بنایا، اور بادشاہ چل کر میرے پاس آ گیا۔ اگر میں بہروپ بھرنے کی بجائے حقیقی روپ اس طرح کا بنا لوں تو خدا جانے مجھے دنیا و آخرت میں کیا اعزاز اور انعام ملے گا'' غوث علی شاہ قلندرؒ نے یہ واقعہ بیان کر کے لکھا '' کاش! دنیا والوں کو معلوم ہوتا کہ جب بندہ اوپر کے، دل سے بھی خدا کو یاد کرتا ہے تو خدا اسے رسوا نہیں ہونے دیتا، اگر کوئی گہرے احساس کے ساتھ خدا کا بندہ بن جائے تو اللہ اسے کیسے رسوا کر سکتا ہے؟''

ہمارے کئی حکمران ایسے گزرے ہیں جنہوں نے عوام کا نام لے کر سیاست کی اور

Marfat.com

حکومت بنائی، عوام آج تک ان کے مداح اور ووٹر ہیں، مگر ایسے لوگ بھول جاتے ہیں کہ وہ اگر سچے دل سے عوام کے خیرخواہ اور خادم بن جائیں تو عوام اپنی آئندہ نسلیں ان کے نام گروی رکھنے کو تیار ہو جائیں گے، صرف عوام کا نام لینے سے اگر اتنی مقبولیت مل جاتی ہے تو عوام کا کام کرنے سے تو یہ مقبولیت دوام پا سکتی ہے، گویا ہمارے اہل سیاست اس بہروپئے جتنی بصیرت بھی نہیں رکھتے کہ وہ اس راز کو پا جائیں اور امر ہو جائیں۔

OOOO

Marfat.com

عجائب پرستی

انسان بھی عجیب واقع ہوا ہے، ماننے پر آئے تو اوہام وخرافات کو مان لیتا ہے اور نہ ماننا چاہے تو حقائق ومشاہدات سے انکار کر دیتا ہے، اسلام نے انسان کی پہچان کے لئے دو چیزوں کو معیار قرار دیا ہے، ایک علم اور دوسرے کردار، اس لئے قرآن مجید بار بار غور وفکر اور شعور وتدبر کی بات کرتا ہے، وہ اپنی بات منوانے کے لئے بھی لوگوں کی عقل سلیم اور بصیرت کو مخاطب کرتا ہے، مگر یہ مخمصہ پہلے دن سے ہے، اور آج بھی موجود ہے کہ بعض لوگ کھلے حقائق اور ٹھوس واقعات کے مقابلے میں عجیب وغریب تصورات کو اہمیت دیتے ہیں، اور انہی میں گم رہتے ہیں، اور تو اور انبیاء کرام کے ساتھ بھی ایسے لوگوں کا یہی رویہ اور معاملہ رہا، ہر دور کے پیغمبر نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا، ان کے سامنے عقیدۂ توحید پیش کیا، لوگوں کو معروف اختیار کرنے اور منکر سے بچنے کی تلقین کی، اللہ اور مخلوق کے حقوق کا خیال رکھنے کو کہا، حلال وحرام کے ضابطوں سے آشنا کیا، عدل اور ظلم کا فرق واضح کیا، جائز اور ناجائز کے درمیان امتیازی لکیر کھینچی، آخرت کا خوف دلایا، اخلاق حسنہ سے متصف اور مزین ہونے کی نصیحت کی، فضائل اور زوائل کو کھول کر بیان کیا، وغیرہ، اور یہ ساری باتیں یا علم (عقیدہ) سے تعلق رکھتی ہیں یا کردار (عمل) سے، ان باتوں پر غور کیا جا سکتا ہے اور پھر کوئی چاہے تو اپنا لے یا رد کر دے، اس کا بھی اختیار اللہ نے اپنے بندوں کو دے رکھا ہے، تا کہ اتمام حجت ہو جائے، کوئی یہ نہ کہے کہ میرے سامنے حق واضح نہیں تھا یا باطل کی مجھے خبر نہ ہو سکی، اور پھر یہ کہ کسی پر نہ نیکی مسلط کی گئی اور نہ بدی تھوپی گئی، انبیاء کے ذریعے نیکی اور بدی کو خدائی تعلیمات کی روشنی میں واضح کر دیا گیا، البتہ جزا اور سزا کی بات کی گئی کہ نیکی کا بدلہ اس صورت

میں ملے گا اور بدی کی سزا اس شکل میں، انبیاء کرام الٰہی علم (وحی) سے آراستہ تھے، ان کا کردار کھلی کتاب اور روشن صبح کی طرح تھا، ان کے پیغام میں نہ ابہام تھا اور نہ کوئی جھول، ان کی باتیں صاف اور درست تھیں، ان کا اسلوب محکم اور انداز ناصحانہ تھا، وہ بت پرستی، سورج پرستی، چاند پرستی، ستارہ پرستی، آتش پرستی، اور شخصیت پرستی کی بجائے خدا پرستی کی دعوت دیتے تھے، ان کا معیار خیر و شر ذاتی نہیں بلکہ کائناتی تھا اور ان کا پیمانہ فکر و عمل قیاسی نہیں بلکہ الہامی تھا، مگر لوگوں نے ان سے جو مطالبات کئے وہ عجائب پرستی کی بدترین مثال ہیں، قرآن مجید میں ہے:

''انہوں نے کہا ہم تو تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے زمین میں سے ایک چشمہ نہ نکال دو، یا تمارے لئے کھجور اور انگور کا ایک باغ پیدا نہ ہو، اور اس میں تم نہریں رواں کردو، یا جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو، یا اللہ اور ملائکہ کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو، یا تمہارے لئے سونے کا ایک گھر بن جائے، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور تمہارے چڑھنے پر بھی ہم اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ نازل کردو جسے ہم پڑھیں'' (بنی اسرائیل۔ آیات 90 تا 93)

گویا لوگوں کے لئے کسی کا نبی ہونا، خداترس ہونا، صاحب علم ہونا، باکردار ہونا، شریف اور نجیب ہونا، راست گو اور صاف معاملہ ہونا، خیر کا داعی ہونا، شر سے مجتنب ہونا اور بے داغ اور بے ضرر ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، اصل بات ''یہ'' ہے کہ وہ چشم زدن میں چشمے بہادے، لمحے بھر میں آسمان پر پہنچ جائے، دریا میں مصلیٰ ڈال کر دوسرے کنارے پہنچ جائے، بے موسم کے پھل اگا دے، بیٹھے بٹھائے آنکھوں سے اوجھل ہو جائے، پھونک مار کر مردے زندہ کردے اور ہاتھ اٹھا کر آسمان کے تارے توڑ لائے، تب وہ شخص قابل توجہ ہوگا، حالانکہ معجزہ پیغمبر کا وہ وصف ہے جس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب اللہ کسی موقع پر اپنی حجت تمام کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے اپنا فیصلہ صادر فرمانے کا حتمی ارادہ کر لیتا ہے، عجائب پرستی کی یہ سوچ جہاں علم و شعور کے منافی ہے وہاں کردار

Marfat.com

وعمل کو بے وزن قرار دینے کی ایک جسارت ہے، یعنی ایسے لوگوں کے نزدیک زندگی مجاہدے کا نہیں محض شعبدے کا نام ہے۔

OOOO

Marfat.com

خدا کی بندگی اور شاہ کی نوکری

جس شخص میں بندگی رب کا ذوق راسخ ہو جائے وہ جہاں ہو اور جس حال میں ہو ایک ہی کیفیت میں سرخوش رہتا ہے، رنج و راحت میں سے کوئی بھی حالت اس پر طاری ہو اس کا ذوق بندگی متاثر نہیں ہوتا، حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھ کر بھی بندۂ خدا ہی رہے اور حضرت ایوب علیہ السلام بستر علالت پر لیٹ کر بھی یاد خدا میں مصروف رہے، حضرت سلیمانؑ آسائش میں متکبر نہ ہوئے اور حضرت ایوبؑ آزمائش میں برابر متشکر رہے۔

وہ لوگ دراصل ذوق بندگی سے محروم ہوتے ہیں جو بڑا عہدہ پاکر پھول جاتے ہیں اور تکلیف دیکھ کر اپنے رب کو بھول جاتے ہیں، بندے کا مقام یہ ہے کہ وہ ہر حال میں آداب بندگی ملحوظ رکھے۔ وہ شاہی دربار میں بہت اونچی کرسی پالے یا کسی باعث کاٹ کھانے والی تنہائیوں میں دھکیل دیا جائے وہ اپنے رب سے غافل نہ ہو۔ حضرت داؤدؑ کے ہاتھ میں وہ طاقت تھی کہ لوہا موم ہو جاتا تھا مگر وہ خود کو بندہ ہی سمجھتے رہے، کبھی خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، اور حضرت یوسفؑ برسوں تک جیل کی کالی کوٹھڑی میں رہے لیکن وہاں بھی لمحے بھر کو یاد خدا سے جدا نہیں ہوئے۔ غربت میں خدا کو یاد رکھنا اور امارت میں اسے بھول جانا یہ بندے ہونے کی نہیں بودے ہونے کی دلیل ہے، بندہ سب سے پہلے اپنے رب کو دیکھتا ہے اس کے بعد باقی چیزیں آتی ہیں، دولت، شہرت، طاقت، جاہ و منصب اور شان و شوکت، اور یہ بھی اللہ کی سنت ہے کہ اس کے جو بندے اس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں وہ انہیں ہر دربار میں گردن جھکانے کی ذلت سے بچا لیتا ہے، جو اس کے سامنے عاجز و متواضع ہوتے ہیں انہیں وہ ہر محفل میں محترم و معزز بنا دیتا ہے۔

Marfat.com

سلطان طغرل کے جاہ و جلال سے کون آگاہ نہیں، جس کی پیشانی ہر لمحہ غضب آلود رہی، ابرو ترش، اور لہجہ حاکمانہ، دربار میں کیا آتا کہ سانسیں رک جاتیں، کس کو کیا بلاتا کہ دم نکل جاتا، اور کسی جانب کیا دیکھتا کہ بڑے حوصلہ مند غش کھا جاتے، ایک بار اس نے اپنے وزیر ابو منصور کو قاصد کے ذریعے بلا بھیجا اور تاکید یہ کی کہ وہ جس حال میں ہو فوراً پہنچے، قاصد جب ابو منصور کے ہاں پہنچا تو وہ نماز میں مشغول تھا، قاصد نے ہانپتے ہوئے شاہ کا پیغام پہنچایا، ابو منصور نے قاصد کی بات سنی اور آنے کا کہہ کر دوبارہ مشغول عبادت ہو گیا، بہت دیر گزر گئی، طغرل کا پیمانہ غضب چھلکنے لگا اور ابو منصور کے حاسدین اور مخالفین دل میں خوش ہونے لگے کہ آج ابو منصور کی ذلت کا تماشا دیکھنے کی دیرینہ آرزو بر آئے گی۔

ابو منصور پورے اطمینان سے عبادت سے فارغ ہو کر شاہی دربار میں حاضر ہوا، بہی خواہوں نے سمجھایا کہ سلطان طغرل بگڑا بیٹھا ہے اور بدخواہوں نے بھی خوب حاشیے چڑھا رکھے ہیں، ذرا احتیاط سے جایئے اور عذر پیش کیجئے، سلطان نے ابو منصور کو دیکھتے ہی تقریباً دہاڑتے ہوئے کہا کہ ''یہ ڈھٹائی اور گستاخی؟ حکم شاہی کی اس قدر توہین؟ اور لاپروائی کا یہ عالم؟'' ایک ہی سانس میں طغرل نے بہت سی سرزنش کر ڈالی لیکن ابو منصور نے بڑے تحمل اور انتہائی اعتماد سے کہا۔

''بادشاہ معظم! میں پہلے خدا کا بندہ ہوں اور بعد میں آپ کا نوکر، جب تک بندگی سے فارغ نہ ہو لیتا آپ کی نوکری پر کیسے حاضر ہو سکتا تھا؟'' ابو منصور نے اپنا سلسلہ گزارشات جاری رکھتے ہوئے کہا ''آج مجھے جو آپ کا قرب، لوگوں میں اعزاز، شاہی دربار میں مقام، اور حکومت میں منصب حاصل ہے وہ سب اللہ کی عطاء ہے، اور اسی کا کرم، اگر میں اس انعام و اکرام کو بھول جاؤں تو مجھ سے بڑا ناشکرا اور کافر کوئی نہیں ہوگا اس لئے میں ہمیشہ دنیا کی نوکری پر خدا کی بندگی کو ترجیح دیتا ہوں'' یہ سن کر شاہ طغرل بجائے غضبناک ہونے کے نمناک ہو گیا اور بولا ''ابو منصور، عبادت اور تقریب کے ان لمحات میں مجھے بھی یاد رکھا کرو اور دعا کیا کرو کہ خدا مجھے نظم مملکت اچھے طریقے اور لوگوں کی خدمت سچے جذبے کے ساتھ کرنے کی توفیق ارزانی کرے''

Marfat.com

اللہ کی بندگی کا قرینہ ہر حال میں ملحوظ رکھنے کا فوری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ حاسدین نے بادشاہ کو ابومنصور سے دور کرنے کی سازش کی تھی مگر خدا نے اسے بادشاہ کے قلب و دماغ کے اور قریب کر دیا۔

OOOO

رب کیسے ملتا ہے؟

مشہور مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں ایک صوفی اور مجذوب تھا، جس کا نام ''میاں ڈڈھا'' تھا، کہتے ہیں بڑا خدا رسیدہ اور باخدا بزرگ تھا، ہر مکر و فریب سے آزاد اور تیری میری سے بے نیاز، اس کا زیادہ تر وقت عبادت اور یاد الٰہی میں بسر ہوتا، اور جو بھی اس کے پاس چل کر آتا اسے نیکی اور تقویٰ کی تلقین کرتا، نہ مسند سجانے کا شوق، نہ حلقہ ارادت بڑھانے کا؟ اور نہ پیر و مرشد کہلانے کا دعویٰ، لوگ آ آ کر اس سے پوچھتے۔۔۔میاں ڈڈھا، رب کیویں لبھا۔۔۔وہ ہر موقع پر ہوں ہاں کر کے بات ٹال دیتا، بالآخر ایک دن اس نے بڑے لطیف پیرائے میں یہ راز کھولا، کہ خدا کیوں کر ملتا ہے؟ اور کس طریقے سے ملتا ہے؟ کہنے لگا کہ مجھے ایک بار اورنگ زیب عالمگیر کا پیغام ملا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، مگر میرے لئے بادشاہ سے ملاقات ایک مخمصہ تھی، کہ کہاں فقیروں کا ڈیرا اور کہاں شاہوں کی دھوم دھام اور تام جھام، ہم سے مل کر بادشاہوں کو تو شائد کچھ ملے اور ان کی نیک نامی میں اضافہ ہو مگر ہمیں سوائے کوفت اور بدنامی کے کیا حاصل ہوگا؟ اس لئے میں ہر دفعہ بادشاہ کی خواہش ٹھکراتا اور اس کی درخواست رد کرتا رہا، آخر کار بادشاہ مجھ سے ملنے پر بضد ہوا اور کہا کہ یا تو میں اچانک تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا یا پھر زبردستی اپنے پاس بلوا لوں گا، میں بڑا پریشان ہوا، ایک دن مجھے پتہ چلا کہ بادشاہ نے میرے اردگرد گھیرا بنا لیا ہے، اور ہر راستے پر اپنے بندے کھڑے کر دیئے ہیں تاکہ میں ادھر ادھر نکل نہ سکوں، میں نے جب محسوس کیا کہ اب بادشاہ ضرور میری کٹیا تک آجائے گا تو میں وہاں سے نکلا اور باہر کی راہ لی، اورنگ زیب نے سکیم یہ بنا رکھی تھی کہ میرے نکلنے کے باقی تمام راستوں پر تو فوجی کھڑے کر دیئے تھے ایک راستہ جو بچ گیا تھا اس پر وہ خود بیٹھ گیا میں نے جس راستے سے نکلنا چاہا

Marfat.com

میرا ٹاکرا پہریدار سے ہو جاتا، تھک ہار کر آخری راستہ بچا تھا جب اس کی نکڑ پر پہنچا تو آگے بادشاہ سلامت براجمان تھا، اور اس طرح میری اس سے ملاقات ہو گئی، یہ معنی خیز واقعہ سنانے کے بعد اس مجذوب نے کہا کہ جس طرح بادشاہ نے کسی کو ملنے کے لئے باقی سارے راستے بند کر دیئے اور صرف ایک راستہ کھلا رکھا جس پر وہ خود موجود تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ بھی جب کسی کو اپنا بنانا چاہتا ہے تو اس پر باقی دروازے بند کر دیتا ہے صرف اپنا دروازہ کھلا رکھتا ہے، اور یوں بندے کو رب مل جاتا ہے۔

سبحان اللہ، کیا خوبصورت تمثیل مگر کس قدر سچی حقیقت ہے، بندہ اپنی زندگی میں اپنے لئے بے شمار راستے پاتا ہے، دھن کے، دولت کے، برادری کے، جاہ و منصب کے، شہرت کے، طاقت کے، مگر ان راستوں سے وہ کبھی رب سے نہیں مل سکتا، بندہ عمر بھر بھٹکتا رہتا ہے، یہ راستے بھی اپنے لئے کھلے رکھتا ہے اور خدا سے بھی ملنا چاہتا ہے اور اسے پانا چاہتا ہے مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ خدا صرف یکسوئی میں ملتا ہے۔ بیک وقت کوئی بندۂ خدا اور بندۂ زمانہ نہیں بن سکتا، اسے ایک راستے کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔

اگر بندے کی طلب سچی، نیت خالص اور ارادہ نیک ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ صورت پیدا فرما دیتا ہے کہ اس پر باقی دروازے اور راستے بند کر دیتا ہے اور صرف اپنا راستہ کھلا رکھتا ہے جس پر چل کر بندہ اپنے رب کو پالیتا ہے، اور اللہ بھی اپنے بندے کو دوسرے تمام دروازوں اور راستوں سے بے نیاز کر دیتا ہے جس طرح دو کشتیوں کا سوار کبھی سلامت نہیں رہتا اور ساحل پر اترنے کے بجائے بیچ دریا غرق ہو جاتا ہے، اس طرح انسان بیک وقت طالب دنیا اور طالب خدا بن کر منزل نہیں پا سکتا، اسے ان دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے، دو ہی صورتیں ہیں انسان یا تو دنیا سے بے نیاز ہو جائے، تب اپنے رب سے مل سکتا ہے یا دنیا کو خدا کا اور اپنا نیاز مند بنا لے تب خدا ملتا ہے، دنیا بندے پر غالب ہو اور بندہ دنیا کا طالب ہو، تو اس کا مطلب ہے کہ خدا کو پانے کا اس کا نہ تو ارادہ سچا ہے اور نہ جذبہ خالص۔

OOOO

Marfat.com

تخت دنیا اور طلب خدا؟

مشہور صوفی بزرگ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ شروع سے حلقہ زہاد میں شامل نہیں تھے، اور نہ ہی فقراء وصوفیاء کی صف کے آدمی، بلکہ ایک واقعے نے انہیں تخت سلطنت سے اٹھا کر مسند فقر پر بٹھا دیا، اور امیری میں انہیں شائد وہ شہرت اور عزت نہ ملی جو فقیری میں انہیں خاص و عام میں حاصل ہوگئی، اور آج بھی ایک زمانہ ان کا احترام کرتا اور عزت سے ان کا نام لیتا ہے، ہوا یوں کہ وہ رات کو اپنے مخملیں اور نرم و گداز بستر پر محو استراحت تھے کہ اچانک انہیں کمرے کی چھت پر کسی کے چلنے کی آہٹ محسوس ہوئی، انہوں نے خادم کو بلا کر پوچھا کہ شاہی محل کی چھت پر رات کے وقت یہ کون چل پھر رہا ہے؟ ایک دفعہ تو پورے محل میں کھلبلی مچ گئی، کیوں کہ سکیورٹی اور حفاظت کا مسئلہ تھا، خدام آگے پیچھے دوڑ رہے تھے اور چھان بین میں لگے ہوئے تھے، خادم نے اوپر جا کر دیکھا تو اسے ایک مجذوب نما شخص نظر آیا وہ اسے پکڑ کر ابراہم بن ادہم کے پاس لے آیا، بادشاہ نے غصب ناک ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ تم یہاں کیسے پہنچے؟ اور کیا لینے آئے ہو؟ اس مجذوب نے پریشان ہوئے بغیر بڑی خاطر جمی اور متانت کے ساتھ جواب دیا۔

بادشاہ معظم، میں کوئی قاتل، ڈاکو اور چور نہیں اور نہ ہی کسی سازش کے تحت اور بری نیت کے ساتھ یہاں آیا ہوں، دراصل میرا اونٹ گم ہوگیا ہے میں نے اسے بہت ڈھونڈا، آس پاس کی ساری آبادی چھان ماری، مگر وہ نہیں ملا، میں نے سوچا، شاہی محل بھی دیکھ لوں اور اس کی چھت بھی، ممکن ہے اونٹ یہاں آیا ہو، بس یہ سننا تھا کہ بادشاہ آگ بگولا ہوگیا، جو پہلے ہی آرام میں خلل آ جانے اور مداخلت بے جا کرنے، اور ایک مجذوب نما شخص کی گستاخی پر بھرا بیٹھا تھا یہ بات سن کر پھٹ پڑا، کہنے لگا، او

بڈھے، تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا، بھلا شاہی محل اور اونٹ تلاش کرنے میں کیا جوڑ ہے؟ یہ کوئی صحرا جنگل، چوراہا اور کھیت کھلیان تو نہیں جہاں تمہارا اونٹ آ گیا ہو، مجذوب پہلے کی طرح بے فکر اور سنجیدہ رہا اور بولا، بادشاہ معظم، میں نے سن رکھا ہے کہ آپ خدا رسیدہ بننے اور کہلانے کا بڑا شوق رکھتے ہیں، اللہ یہ شوق سلامت رکھے، مگر بات یہ ہے کہ اگر شاہی محل میں اور اس کی چھت پر اونٹ نہیں مل سکتا تو پھر تخت و تاج اور ریشمی مسہریوں پر بھی خدا نہیں مل سکتا، اس کے لئے اپنی پیٹھ کو نرم و گداز بستر سے الگ کرنا، اور میٹھی نیند کو رتجگوں میں بدلنا پڑتا ہے، تب خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

یہ بات سن کر بادشاہ کے اوسان خطا ہو گئے، اس مجذوب کو عزت و تکریم کے ساتھ رخصت کیا، اور پھر ابراہیم کو رات بھر نیند نہیں آئی اور مجذوب کا سوالیہ فقرہ اسے پوری رات کروٹیں بدلنے پر مجبور کر گیا، کہ ہاں بات تو ٹھیک ہے، کہاں لذات زندگی اور کہاں لطف بندگی؟ کہاں گہری نیند کے مزے اور کہاں رتجگے؟ اور کہاں سنجاب و سمور سے آراستہ پلنگ اور کہاں عبادت و ریاضت کا آہنگ؟ ان دونوں رویوں کا آپس میں کیا تعلق ہوسکتا اور کیسے قائم رہ سکتا ہے؟

بس اس ایک واقعے نے ابراہیم بن ادہمؒ کی زندگی کا رخ موڑ دیا، اور وہ تخت شاہی چھوڑ کر مقبولان بارگاہ الٰہی میں شامل ہو گئے اور ایک بار جو اس کوچے سے نکلے تو پھر مڑ کر کبھی اس طرف نہیں آئے، بادشاہ ہوتے ہوئے انہیں کئی خدشے اور وسوسے لاحق رہتے تھے، لیکن بندۂ خدا بننے سے تمام اندیشے مٹ گئے، جو سکون زرنگار تخت پر میسر نہ آیا تھا وہ انہیں ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر حاصل ہو گیا، پہلے وافر دولت تھی مگر راحت نہ تھی اب قناعت نصیب ہوئی تو اطمینان کی لازوال نعمت ہاتھ آ گئی، پہلے ہر وقت جان کا دھڑکا لگا رہتا تھا اب ایمان نے دل و دماغ سے ہر کھٹکا دور کر دیا، بلاشبہ دلوں کا اطمینان ذکر الٰہی میں ہے: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

واقعات انسان کی زندگی میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں بشرطیکہ دل، آنکھ اور کان کھلے ہوں، جو غور کر سکے، جو بات کی تہہ میں اتر کر دیکھ سکے اور نصیحت کی بات توجہ سے سن سکے، انسان عمر بھر بے دھیان رہے تو اسے کوئی واقعہ تو کیا بڑا حادثہ بھی نہیں

Marfat.com

بدل سکتا، اگر کوئی پورے شعور اور زندہ احساس کے ساتھ دنیا میں رہے تو اس کے لئے ہوا کی سرسراہٹ اور پتوں کی معمولی آہٹ نوائے سروش بن جاتی ہے۔

OOOO

Marfat.com

لمحہ قبولیت

حلقہ صوفیاء میں ایک بڑا اور معتبر نام اور حوالہ حضرت فضیل بن عیاضؒ ہیں، جنہوں نے ایک ملاقات میں خلیفہ ہارون الرشید کو وہ کھری کھری سنائیں اور اس کے منصب و قیام کے حوالے سے وہ باتیں کیں کہ ہارون الرشید کی ہچکی بندھ گئی اور وہ چیخیں مار کر رونے لگا، حتیٰ کہ وزیراعظم اور خلیفہ کے معتمد خاص فضل بن ربیع کو درخواست کرنی پڑی کہ آپ امیرالمومنین کے حال پر رحم فرمائیں، آپ نے پلٹ کر وزیراعظم سے کہا میں تو خلیفہ کی خیر خواہی کر رہا ہوں وہ آج جتنا روئیں گے کل قیامت کو گریہ و زاری سے بچ جائیں گے، اور ایک تم ہو جو خلیفہ کو یہاں خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہو لیکن کل یوم آخرت کو اسے رنج والم میں تنہا چھوڑ دو گے، اور جب خلیفہ وقت نے شیخؒ کی خدمت میں کہا کہ اگر آپ پر کوئی قرض ہو تو وہ میں خزانہ خلافت سے چکانے کو تیار ہوں، آپ نے فرمایا، ''ہاں مجھ پر میرے اللہ کا قرض ہے مگر اسے میرے سوا کوئی ادا نہیں کر سکتا'' اور میں ہی کیا دنیا میں ایک ایک شخص اللہ کی مہربانیوں اور نعمتوں کا مقروض ہے اور اس قرض کو صرف عبادت و اطاعت سے چکایا جا سکتا ہے، خزانے اور دولت سے نہیں، تم بھی اس قرض کی ادائیگی کی فکر کرو، قرض بندوں کا ہو یا اللہ کا، وہ کسی صورت معاف نہیں ہو سکتا۔

یہی فضیل بن عیاضؒ، منصب رشد و ہدایت اور مرتبہ ولایت و انابت پر فائز ہونے سے پہلے ایک راہزن اور چور تھے، عمر کا ایک بڑا حصہ اسی پیشے میں خرچ ہو گیا، بڑے بڑے وعظ سنے مگر کچھ اثر نہ ہوا، بہت نصیحتیں کان پڑیں مگر بے سود، کئی بار پکڑے بھی گئے مگر اس دھندے سے رجوع کی توفیق نہ ملی، وہ جو اقبالؒ نے کہا ہے:

طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

یعنی بعض اوقات صدیوں کی منزل ایک آہ میں طے ہو جاتی ہے کچھ اس طرح کا

معاملہ فضیل بن عیاضؒ کو پیش آیا، ایک بار انہوں نے پوچھنے سے پہلے کسی گھر میں نقب لگائی، وہ گھر کسی شب زندہ دار اور تہجد گزار کا تھا، صاحب خانہ اس وقت تلاوت قرآن مجید میں مصروف تھا، فضیل جونہی دیوار پھلانگ کر اندر اترنے لگے، کہ ان کے کان میں تلاوت کی آواز پڑی، قرآن حکیم کا وہ قاری اس وقت یہ آیت پڑھ رہا تھا:

الم یان للذین آمنو ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ (الحدید: 16)

''کیا ابھی وہ لمحہ نہیں آیا کہ اہل ایمان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں''

بس اس آیت کا فضیل بن عیاضؒ کے کانوں میں پڑنا تھا کہ وہ تیر کی طرح سیدھی دل میں اتر گئی اور فضیل کی دنیا بدل گئی، یہ وہ لمحہ قبولیت تھا جس نے ''راہزن'' فضیلؒ کو ''راہبر'' بنا دیا کہاں وہ راہ کاٹنے والے فضیل اور کہاں خلیج پاٹنے والے؟ کہاں راہ مارنے والے اور کہاں راہ دکھانے والے؟ واقعہ اور تجربہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو توفیق عطا کرنے اور ہدایت سے سرفراز فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے ایک لمحہ منتخب فرماتا ہے جو زندگی کا حاصل اور صدیوں پر بھاری ہوتا ہے، ورنہ ابوجہل اور ابولہب رسولؐ کے ہمسائے رہ کر نعمت اسلام سے محروم نہ ہوتے، یہ سب توفیق خداوندی ہے جسے مل جائے، حبش سے بلالؓ پہنچے، روم سے صہیبؓ آئے، اور فارس سے سلمانؓ چلے اور سب آغوش اسلام میں جا اترے مگر مین شہر نبوت مکہ مکرمہ میں رہنے والے اس سعادت کو نہ پا سکے، نہ قرآن ان پر اثر کر پایا اور نہ صاحب قرآن کا قرب انہیں فیض یاب کر سکا۔

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے

انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی کو بے خیالی میں بسر نہ کرے بلکہ اس کا ایک ایک لمحہ کشید کرے کیا خبر قصراۂ آب حیات کس لمحے میں پوشیدہ ہے جو انسان کو عبد خاص اور زندہ جاوید کر دے، وہ ایک لمحہ قبولیت تھا جس نے حضرت فضیل بن عیاضؒ کو راہزنوں کے گروہ سے نکال کر راہبروں کی صف میں پہنچا دیا، اور انہیں دنیا کی عزت اور آخرت کی سعادت سے ہمکنار کر دیا۔

OOOO

Marfat.com

ماہ رمضان کے تاریخی امتیازات

ماہ رمضان کی دینی اور روحانی اہمیت تو تسلیم شدہ ہے، مگر ایک دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو اس کے متعدد تاریخی امتیازات بھی ہیں، اس مہینے میں رونما ہونے والے بعض واقعات انسانی سماج کے حوالے سے بہت دور رس اثرات کے حامل اور بین الاقوامی تبدیلیوں کے مؤثر عامل ثابت ہوئے، گویا رمضان المبارک کی اہمیت مسلمانوں اور انسانوں دونوں کے لئے ہیں، یعنی اس کا حوالہ محض اسلامی نہیں بلکہ انسانی بھی ہے، اس مہینے کا ایک خاص تعلق اہل پاکستان سے بھی ہے، جس کی طرف ہم ذرا کم توجہ دیتے ہیں، اگر ہم اس ماہ مقدس کے بعض تاریخی امتیازات کا جائزہ لیں تو یہ منظر بنتا ہے۔

اولاً: یہی وہ مہینہ ہے جس میں نزول قرآن ہوا، بلاشبہ قرآن حکیم براہ راست مسلمانوں کی الہامی اور ربانی کتاب ہے اور اہل اسلام اس کے ماننے والے اور وارث ہیں، لیکن بات اتنی نہیں، بلکہ قرآن حکیم ایک آفاقی و انسانی دستاویز ہے، اس کتاب کے آنے سے ہر نوع کی بت پرستی کی نفی ہوئی، اس کتاب نے کھل کر سورج پرستی، قمر پرستی، ستارہ پرستی، آتش پرستی، پہاڑ پرستی، مظاہر پرستی، انسان پرستی، اصنام پرستی، اوہام پرستی، قبر پرستی، شخصیت پرستی اور نفس پرستی کے عقیدہ و تصور کو لتاڑا اور انسان کو صرف بندۂ خدا بنا کر ہر نوع کے اغلال و سلاسل یعنی طوقوں اور زنجیروں سے آزاد کیا، اس کتاب نے درجنوں مرتبہ تعقل، تفکر، تدبر اور تذکر کے الفاظ کہہ کر عقل و خرد، فہم و شعور، غور و تدبر اور تذکر و تسخیر کائنات کی راہ کھولی، یہ کتاب نہ آتی تو انسانیت شاید آج بھی پتھر کے دور میں سانس لے رہی ہوتی، قرآن حکیم نے اپنے فکر قالب افکار و اخلاق میں ایسے ایسے لوگوں کو ڈھالا جو آنے والے زمانوں کے لئے صداقت، عدالت، سخاوت، شجاعت، حکمت، امانت، دیانت، ذہانت، اور انسانیت کے لئے لازوال

Marfat.com

نمونے بن گئے، بناء بریں یہ کتاب تاریخ انسانی کو نیا شعور اور نیا موڑ دینے کا سبب بنی۔

ثانیاً: اسی ماہ مبارک میں غزوۂ بدر برپا ہوا جس کے ذریعے دنیا پر پہلی بار واضح ہوا کہ اسلام رنگ، نسل، وطن، زبان کے بجائے ایک نظریے اور عقیدے کا علمبردار ہے اور انسانی سوسائٹی کی تشکیل نظریاتی بنیادوں پر ہونی چاہیے باقی تمام تقسیمیں اور تفریقیں لغو اور بے معنی ہیں۔ میدان بدر میں دو گروہ آمنے سامنے ہوئے، اہل اسلام اور اہل کفر، یہ مدینے اور مکے کی لڑائی نہیں تھی، یہ قریشی اور غیر قریشی کی جنگ نہیں تھی، یہ مقامی مہاجر کی چپقلش نہیں تھی، یہ گورے اور کالے کی محاذ آرائی نہیں تھی، یہ آزاد اور غلام لوگوں کی کشمکش نہیں تھی اور یہ عربی اور عجمی کی تقسیم نہیں تھی، یہ لڑائی سرزمین عرب پر ہوئی، دونوں طرف قریشی تھے، دونوں کیمپوں میں ایک دوسرے کے قریبی عزیز تھے، اہل اسلام کی صفوں میں قریشی اور غیر قریشی دونوں تھے، آزاد اور غلام ایک صف میں تھے، گورے اور کالے دوش بدوش تھے، ماموں ایک طرف اور بھانجا دوسری طرف، چچا ایک جانب اور بھتیجا دوسری جانب، باپ ایک کیمپ میں بیٹا دوسرے کیمپ میں، سسر ایک صف میں اور داماد دوسری صف میں، گویا نظریہ ایک سمت تھا اور رنگ و نسل، اور زبان و وطن کا جاہلی جذبہ دوسری سمت، اسی لئے قرآن حکیم نے غزوۂ بدر کو ''یوم الفرقان'' کہا ہے یعنی ـــ فیصلے کا دن ـــ

ثالثاً: رمضان المبارک ہی میں ـــ فتح مکہ ـــ ہوئی، جس نے ہر قسم کی جاہلی، علاقائی، قبائلی، طاغوتی اور استحصالی قوتوں پر اسلامی نظریے کی بالادستی قائم کر دی اور جزیرۃ العرب انسانوں کی غلامی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں داخل ہو گیا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے میں فاتحانہ شان کے ساتھ آمد اور عفو عام کے اعلان نے انسانی تاریخ کو بتایا کہ فتح ایسے بھی ہوتی ہے اور فاتح ایسے بھی ہوتے ہیں، فتح کی خوشی میں شادیانے نہیں بجے، سجدوں کے نذرانے پیش کئے گئے، اور فاتح نے انتقام کا نہیں عفو عام کا مظاہرہ فرمایا، گویا اسلام نے اپنے جنگی اصول واضح کئے کہ جنگ کا مقصد فساد کا خاتمہ ہے آدم کی اولاد کا نہیں۔

رابعاً: اس مہینے کا ایک خاص تعلق ہم اہل پاکستان سے ہے وہ یوں کہ 10 رمضان المبارک کو غازی محمد بن قاسمؒ سندھ میں آیا اور اس طرح سندھ کو "باب الاسلام" بننے کا شرف حاصل ہوا اور محمد بن قاسمؒ کی سندھ آمد پاکستان کا سنگ بنیاد بنی، اور 27 رمضان المبارک کو قیام پاکستان کا اعلان ہوا، یہ بھی قدرت کا خاص کرم اور معجزہ ہے کہ ہندو جوتشیوں نے بھارت کی آزادی کی تاریخ ایک دن آگے بڑھا دی، ان کے نزدیک 14 اور 15، اگست 47ء کی شب "شبھ گھڑی" یعنی مبارک ساعت تھی اور بھارت کی آزادی کا اعلان 15، اگست کو ہوا، اور ہماری آزادی کا اعلان چودہ اگست کو ہوا اور یوں ہمیں لیلتہ القدر کے رحمت بھرے سائے میں آزادی کا پہلا سانس لینے کا شرف حاصل ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے اس مبارک ساعت کو ہمارے مقدر میں لکھ دیا، اور طے شدہ پروگرام کے مطابق بھارت کو ایک دن پہلے اور ہمیں ایک دن بعد آزاد ہونا تھا۔

OOOO

Marfat.com

سلیمانؑ وقت کی ضرورت

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جہاں بہت سے خصائص و فضائل سے نوازا تھا جن میں ان کے لئے ہوا کا مسخر ہونا، پرندوں کی بولیاں جاننا، اور انسانوں، جنوں اور پرندوں کا ان کا لشکری ہونا ہے وہاں انہیں قدرت نے فہم و حکمت سے بھی سرفراز فرمایا تھا جب کہ سورۃ الانبیاء کی آیت 79 میں ہے:

حضرت سلیمانؑ کو یہ ملکہ حاصل تھا کہ بڑے سے بڑے اختلاف کو وہ اپنی فراست اور زیرکی سے لمحوں کے اندر حل کر دیتے اور سونتی ہوئی تلواریں نیام میں چلی جاتیں۔

یہ مثال اگرچہ بہت حد تک پامال ہو چکی ہے مگر ہے صد فیصد درست کہ ''لسی اور لڑائی کو جتنا چاہو بڑھا لو دونوں بڑھتی ہی جاتی ہیں'' ہمارے معاشرے میں بھی بہت سی اقسام کی لڑائیاں ہیں۔ برادری کے تنازعے، ناک کے مسئلے، مذہبی جھگڑے اور سیاسی مناقشے، درجنوں نوعیت کے اختلافات ہیں جو لسی کی طرح بڑھتے چلے جارہے ہیں، ہوا دینے اور آگ تاپنے والے بہت ہیں مگر مٹی ڈالنے اور پانی چھڑکنے والے کم ہیں، اگر کبھی جھگڑا تھم جائے اور کوئی صلح کی سبیل نکل آئے تو بعد میں پتہ چلتا ہے کہ بات کچھ نہ تھی صرف ابلاغ کا قصور تھا اور اس قصورِ فہم کا سارا فتور تھا۔

مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں بڑے خوبصورت پیرائے میں اسے ایک جگہ بیان کیا ہے:

''مختلف علاقوں کے چار مسافر کسی ایک جگہ اتفاقاً جمع ہو گئے ان میں ایک ایرانی تھا، دوسرا ترک باشندہ، تیسرا روم کا رہنے والا اور چوتھا عرب کا تھا۔ کسی نے ان پر ترس کھا کر اور مسافر سمجھ کر ایک درہم دیا کہ کوئی چیز لے کر کھا لو، ایرانی بولا میرا دل ''انگور'' کھانے کو چاہ رہا ہے آؤ انگور لے کر کھاتے ہیں، ترک باشندہ بولا، دفع کرو انگور کو میں تو

''داخ'' کھاؤں گا، رومی نے کہا یہ داخ کیا بلا ہے لینا ہے تو ''اوزم'' لے آؤ، عرب دیہاتی نے کہا ان میں سے کچھ بھی نہیں، میری مانو تو ''عنب'' لے آؤ بڑے مزے کا اور شیریں پھل ہے، مگر کوئی ایک دوسرے سے متفق نہ ہو سکا، اور نوبت جھگڑے اور تصادم تک آ گئی ان کا تنازعہ زوروں پر تھا کہ کئی زبانوں کا ماہر شخص وہاں سے گزرا انہیں لڑتا دیکھ کر رک گیا اور پوچھا کیا مسئلہ ہے؟ سب نے ماجرا بیان کیا، وہ شخص بولا اگر تم مجھ پر اعتماد کرو اور میری مانو تو درہم میرے حوالے کرو میں ایک ایسا پھل لا دوں گا کہ تم سب اسے پسند کرو گے اور شوق سے کھاؤ گے، وہ چاروں مسافر اس پیش کش اور حل پر راضی ہو گئے وہ شخص گیا اور انگور لے کر آ گیا اور چاروں اسے دیکھ کر خوش ہو گئے''

مولانا رومؒ فرماتے ہیں اصل میں وہ سبھی انگور کھانے کے خواہش مند تھے مگر اپنی اپنی زبان میں مدعا پیش کرنے کے باعث ایک دوسرے کو بتانے اور سمجھانے سے قاصر تھے، انگور دیکھ کر انہیں پتہ چلا، کہ انگور، داخ، اوزم اور عنب ایک ہی پھل کے چار مختلف نام ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں:

ہم مسلماں ہست اندر دورما
کہ دہد صلح و نماید جورہا

''وہ ہمارے زمانے کا سلیمانؑ ہے جو ہمیں (اگلی امتوں کی نااتفاقی کے انجام سے) ڈرا کر متحد کر دے'' ہمارے ملک میں کہیں مذہبی جھگڑے کچھ اس نوعیت کے تو نہیں کہ منزل سب کی ایک ہو یعنی خدا اور رسولؐ کی اطاعت اور آخرت کی سعادت، مگر ہم ایک دوسرے کے محرک اور اسلوب سے ناآشنا ہوں اور تنازعہ بڑھ رہا ہو، کہیں توحید پر تنازعہ ہے کہیں عشق رسولؐ کے حوالے سے بات بڑھائی جا رہی ہے کہیں صحابہ کرامؓ کے نام پر گروہ بندی ہے اور کہیں اہل بیت عظامؓ کے پردے میں اختلاف ہے، جب کہ حقیقت میں یہ چاروں چیزیں مختلف نہیں بلکہ یہ ایک ہی ڈال کے پات ہیں، یہ اختلافات دیکھ کر کسی ''سلیمانؑ وقت'' کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اپنے فہم و فراست

Marfat.com

سے جھگڑا چکا دے اور ایک ایسا ''نقطہ ماسکہ'' سامنے لا دے جسے دیکھ کر سب پکار اٹھیں کہ ہاں ہم اصل میں یہی چاہتے تھے، مدعا سب کا ایک تھا مگر اظہار مدعا میں اختلاف تھا، بہر کیف اس امر کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ہم ایک دوسرے کی بولی سمجھنے کی کوشش کریں، اور اپنی ہی بولی کو حرف آخر قرار نہ دیں، ورنہ جھگڑا بڑھتا ہی جائے گا، اور وقت ہاتھ سے نکلتا جائے گا، کلامی مسائل ہوں، یا فقہی، اور سیاسی معاملات ہوں یا ذاتی، اپنی رائے پر اصرار تو تکار میں بدل سکتا ہے جس کا فائدہ شائد کسی کو بھی نہ پہنچے۔

جھگڑا طے کرنے میں کچھ دیر لگ بھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر جھگڑا بڑھانے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے، اور تھوڑی تاخیر میں ممکن ہے خیر پوشیدہ ہو اور کوئی ''سلیمانؑ وقت'' وہاں پہنچنے والا ہو، جو سب کو ایک نتیجے پر پہنچا دے۔

OOOO

Marfat.com

حسن معاشرت

بڑے لوگ صرف بڑے کاموں میں الجھے ہوئے نہیں رہتے بلکہ بڑا وہ ہوتا ہے جو ہر چھوٹی بات کا بھی لحاظ کرے، جلوت میں ہر کوئی بڑا دکھائی دیتا ہے اصل بڑائی تو خلوت کی ہے جہاں انسان پر کوئی نقاب چڑھا ہوا نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرامؑ جو خلاصہ انسانیت تھے ان کی ظاہری و باطنی زندگی اور جلوت وخلوت کی معاشرت میں کوئی کھلا تضاد اور فاصلہ نہیں تھا، ارسطو بھی کہتا ہے کہ ''انسان اپنی افتادِ طبع سے پہچانا جاتا ہے'' اور افتادِ طبع ہی انسان کا اصلی تعارف ہوتا ہے ورنہ بزم انجمن میں تو ہر کوئی بنا ٹھنا اور سجا سنورا نظر آتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ اپنی شخصی وجاہت، تاریخی شہرت اور نظم مملکت کے حوالے سے ایک بڑی شخصیت ہیں، تاریخ میں جن چند افراد کو محاورے کی زبان میں ''افسانوی شہرت'' ملی ہے ان میں ایک حضرت عمرؓ ہیں، ان کی جگر داری، انداز جہانبانی، حسن تدبر، ایڈمنسٹریشن اور فتوحات کے قصے تاریخ کا بڑا معتبر اور قیمتی اثاثہ ہیں۔ آپ کی حکومت کی مدود بائیس لاکھ اکاون ہزار مربع میل تک پھیلی ہوئی تھیں، پورا جزیرۃ العرب، ایران، عراق، فلسطین، شام، مصر، خوزستان، آرمینیا، آذربائیجان، خراسان، کرمان، مکران اور بلوچستان یہ سارے علاقے آپ کی قلمرو خلافت میں شامل تھے، آپ کا شمار دنیا کے چند بیدار مغز، بہترین دیانت دار، مدبر اور کامیاب حکمرانوں میں ہوتا ہے، اپنے تمام تر جاہ و جلال، منصبی مصروفیات، اور جنگی معاملات میں الجھاؤ کے باوجود چھوٹے سے چھوٹے معاملات میں آپ کی دلچسپی، رہنمائی اور ہدایات آپ کی ہمہ گیر اور جامع شخصیت کا خوشگوار تاثر پیش کرتی ہیں، ورنہ آدمی بڑا ہو کر بہت سی باتوں کو از خود چھوٹا فرض قرار دے لیتا اور ان سے بے اعتنائی کا رویہ اپنا لیتا ہے، مگر حضرت عمرؓ

Marfat.com

قادسیہ کی لڑائی بھی لڑتے ہیں اور ایک بیوہ بڑھیا کے حالات سے بھی باخبر رہتے ہیں، یہی ان کی جامعیت تھی، چنانچہ آپ کی بعض ہدایات اور آپ کے ارشادات بڑی خوبی اور عمدگی سے آپ کے مزاج شخصی اور انداز حکمرانی کی وضاحت کرتے ہیں۔

بالغ اولاد

آپ فرمایا کرتے تھے: ''جب تمہاری اولاد بالغ ہو جائے تو ان کا نکاح کر دیا کرو، اور خواہ مخواہ ان کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر مت لادو''

حسب نسب

آج بھی نسب اور برادری کا بت بڑا توانا ہے چودہ سو سال پہلے تو وہ جوان رعنا ہو گا، مگر آپ اس بارے میں کہا کرتے تھے: ''مرد کا حسب اس کا دین، نسب اس کی عقل اور مردانگی اس کا حسن خلق ہے''

خیال اور عمل میں فرق

معاشرہ بالعموم خیالی ہواؤں میں رہتا ہے اور عملی تقاضوں کو نظرانداز کر دیتا ہے بالخصوص شادی بیاہ کے معاملات پر یہ رویہ بہت زیادہ حاوی ہوتا ہے، ایک شخص اپنی بیوی کو محض اس بنا پر طلاق دینے پر آمادہ تھا کہ وہ اس کے معیار مطلوب یعنی لباس اور شکل وصورت کے حوالے سے پوری نہیں اترتی تھی، آپ تک بات پہنچی تو فرمایا: ''دیکھو میرے بھائی، میاں بیوی کے درمیان ''تصوریت'' نہیں چلتی ''رعایت'' کا انداز کامیاب ہوتا ہے'' ہر خیال ضروری نہیں نقطہ کمال کو پہنچے۔

کمال احتیاط

آپ یوں تو موقع کی مناسبت سے عوام کے ہر طبقے کو ایسی ہدایات سے نوازتے تھے جو ان کی زندگی میں خوشگواری پیدا کرے مگر بطور خاص جب نوجوان سے مخاطب

ہوتے تو فرماتے:

''جوانی کے زمانے میں ہر ایسی بات سے بچو، جو تمہاری بدنامی کا باعث ہو تا کہ کل کو تم اگر بڑے آدمی بن جاؤ تو تمہارا ماضی تمہارے لئے پریشان کن حوالہ اور وجہ ندامت نہ بن جائے''

تقشّف سے پرہیز

آج کل بھی اور آج سے پہلے بھی دینداری کی ایک مخصوص قسم ہر جگہ پائی جاتی ہے کہ میلے اور بے ڈھب کپڑوں کو نیکی، ویران صورت کو تقویٰ، بے ترتیبی کو زہد اور بدسلیقگی کو پرہیزگاری سمجھا جاتا رہے، صاف ستھرے لباس اور معقول رہن سہن کو دنیاداری اور نمائشی چیز قرار دیا جاتا ہے۔ یہ عادت حضرت عمرؓ کے دور میں بھی لوگوں کے اندر تھی، ایک بار آپ نے ایک ایسے زاہد مرتاض کو دیکھا جو مریل سی صورت بنائے اور بھرے پرے ماحول میں منہ لٹکائے جا رہا تھا آپ نے اسے ایک ہنٹر رسید کیا اور فرمایا ''خدا تجھے غارت کرے تو ہمارے دین کا گلا کیوں گھونٹتا ہے''

فیشن پرستی

جہاں ایک طرف آپ کا یہ مزاج تھا دوسری طرف وہ غیر ضروری ناز و انداز اور لباس و خوراک میں اسراف کا بھی سختی سے نوٹس لیتے تھے، وہ معاشرہ کبھی سربلند نہیں ہو سکتا جو فیشن، نازک اندامی، اور رنگ برنگی چیزوں کا دلدادہ ہو، توازن اور اعتدال اصلی خوبی ہے، نہ غیر ضروری تقشّف اور نہ غیر معمولی تکلف۔

آپ فرمایا کرتے تھے ''عجمیوں کے سے ناز و انداز اختیار نہ کرو، سخت کوش بنو، زیب و زینت کے لباس عورتوں کے لئے رہنے دو، اور اپنی ہیئت عورتوں جیسی نہ بناؤ''

OOOO

Marfat.com

بیٹی

"جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، جب تارے بکھر جائیں گے، جب پہاڑ چلائے جائیں گے، جب حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی، جب جنگلی جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دیئے جائیں گے، جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑ دی جائیں گی اور جب زندہ گاڑی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماردی گئی؟"

یہ آیات قرآنی قیامت کے ہولناک منظر، دل دہلا دینے والے نقشہ اور ہوش اڑا دینے والے سماں کی عکاسی کر رہی ہیں، کروڑوں میل پر محیط سورج کی بساط لپیٹ دی جائے گی، چمکتے تارے خاک کے ذرے بن کر بکھر جائیں گے، زمین پر میخیں بن کر گڑے ہوئے پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے، عرب کے کلچر میں اونٹی کو جو اہمیت حاصل تھی اور اس کے جو سفر، مال برداری، سواری، دودھ، گوشت اور پوست کے حوالے سے فوائد و منافع تھے ان سے ہر صاحب علم آگاہ ہے مگر روز حشر یہ قیمتی اونٹنیاں آوارہ پھر رہی ہوں گی اور اس دن کے زلزلے سے تمام جانور خوفزدہ ہو کر ایک جگہ جمع ہو جائیں گے، آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب آگ بجھانے والا پانی ایک حکم الٰہی سے اپنی ترکیب بدل کر الٹا خود آگ بن کر بھڑک اٹھے گا، اور ہڈیوں کا چورا بنے ہوئے جسم دوبارہ اپنی اصل حالت میں آ جائیں گے، یہ ہوگا روز حشر اور یوم قیامت! اور پہلا مقدمہ جس کی بارگاہ الٰہی میں سماعت ہوگی وہ ان معصوم بچیوں کا ہوگا جنہیں عرب سوسائٹی میں محض ناک رکھنے کی خاطر، کڑیل بیٹوں کا باپ کہلانے کے شوق میں اور بیٹیوں کو مفت میں پالنے کے خوف سے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، نہ قصور نہ الزام اور نہ فریاد، ایام جاہلیت میں ہونے والے مختلف اور سنگین و شدید جرائم

Marfat.com

میں سے ایک جرم یہ تھا لیکن اسلام نے اس قبیح خیال اور مکروہ سوچ کا قلع قمع کر دیا اور پہلی بار یہ حیات آفرین تصور دیا کہ بیٹا اگر اللہ کی نعمت ہے تو بیٹی خدا کی رحمت ہے۔

ایک سے زائد بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر ماں باپ کے لئے دنیا میں سہارا ہے تو بیٹی قیامت کے دن ڈھال ثابت ہوگی، ایک موقع پر فرمایا:

''جس شخص نے تین بیٹیوں یا بہنوں کو پرورش کیا، ان کو اچھا ادب سکھایا، اور ان سے شفقت کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ وہ اس کی مدد کی محتاج نہ رہیں تو اللہ ایسے شخص کے لئے جنت واجب فرما دے گا''

ابو داؤد کی ایک اور روایت کے مطابق ارشاد نبویؐ ہے:

''جس کے ہاں لڑکی ہوئی اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کر کے رکھے، نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے، اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا''

صحیح البخاری میں ایک حدیث اس مفہوم کے ساتھ نقل ہوئی ہے:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی ضرور بتایئے اے اللہ کے رسولؐ! فرمایا: ''تیری وہ بیٹی جو (طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا کوئی اس کے لئے کمانے والا نہ ہو''

دنیا بھر کی بیٹیوں کو ممنون کرم اور رہین احسان ہونا چاہیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جنہوں نے عورت کے بارے میں پورا فلسفہ اور نقطہ نظر بدل کر رکھ دیا، ماں کو جنت کی دہلیز اور بہن اور بیٹی کو مغفرت کی سبیل قرار دے کر ان کی عزت، تکریم اور حیثیت میں اضافہ کر دیا، نہ صرف کہنے پر اکتفا کیا بلکہ عمل کر کے بتایا کہ بیٹی سے یوں محبت اور تعظیم کا معاملہ کیا جاتا ہے جب بنت رسولؐ سیدہ فاطمہؓ اپنے گرامی مرتبت والد اور مخدوم دو عالم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضورؐ سروقد کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے، ماتھے پر بوسہ دیتے، اور اپنی جگہ پر اپنے پاس بٹھاتے، سیدہ فاطمہؓ عرب کی ان بیٹیوں کی طرح تھیں جنہیں باپ زمین میں زندہ گاڑ آیا کرتے تھے، مگر اب وہ بیٹی رسولؐ کی طرف سے بے پناہ شفقت اور تعظیم کی حقدار ٹھہر گئی۔

بیٹا ہو یا بیٹی دونوں خدا کی مرضی سے جنم لیتے ہیں، اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کسے بیٹے سے نوازے اور کسے بیٹی عطا کرے، بیٹا اگر جرات کی علامت ہے تو بیٹی محبت کی، بیٹا اگر طاقت کا سمبل ہے تو بیٹی شفقت کا، اور بیٹا اگر آنکھ کا نور ہے تو بیٹی دل کا سرور۔

آج اکیسویں صدی میں بھی جاہلی رسم و رواج کے جراثیم کسی قدر پائے جاتے ہیں، بیٹی کو جسمانی طور پر زمین میں نہیں گاڑی جاتی مگر ماں باپ اسے بوجھ ضرور سمجھتے ہیں، بیٹے کی آرزو ضرور پالتے ہیں، بیٹے کو ترجیح ضرور دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا نام ونسب بیٹے سے چلے گا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا زندہ نہ بچا مگر آپ کی بیٹی سیدہ فاطمہؓ نے اپنے کردار وعمل سے بیٹے کی ہر کمی پوری کر دی، اور حسنؓ وحسینؓ جیسے سپوت آغوش میں پال کر خود بھی امر ہو گئیں اور اولاد کو بھی زندۂ جاوید بنا دیا، دنیا بھر کے پھولوں میں کیا خوشبو ہو گی جو ماں باپ کے لئے بیٹی کی محبت میں ہوتی ہے، زمین و آسمان میں بھلا کیا وسعت ہو گی جو ماں باپ کے لئے بیٹی کے دل میں ہوتی ہے اور کہکشاں میں وہ چمک کیا ہو گی جو ماں باپ کے لئے بیٹی کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔

OOOO

خدا اور بندے کا حق

فقیہہ اور دانش اور صحابی رسول حضرت معاذ بن جبلؓ اپنے حوالے سے ایک ایمان افروز اور یقین پرور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں ایک دن سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم رکاب تھا، میرے اور آپ کے درمیان صرف اونٹ کے کجاوے کا پچھلا حصہ حائل تھا، آپ نے فرمایا۔۔۔ معاذ بن جبلؓ!

میں نے عرض کی۔۔۔ غلام حاضر ہے، اے اللہ کے رسولؐ فرمائیں،

آپؐ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے پھر کچھ دور چلنے کے بعد آواز دی۔۔۔ معاذ بن جبلؓ!

میں نے دوبارہ عرض کیا، فرمایئے، میں حاضر ہوں،

مگر آپؐ بدستور خاموش رہے، پھر کچھ آگے چل کر ارشاد فرمایا۔۔۔ معاذ بن جبلؓ!

میں نے تیسری بار پہلے کی طرح کہا، حضور، میں حاضر ہوں ارشاد؟

تب آپؐ نے فرمایا۔۔۔ تم جانتے ہو اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟۔۔۔

میں عرض گزار ہوا، اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں،

آپؐ نے فرمایا اللہ کا اپنے بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ صرف اس کی بندگی کریں اور کسی غیر کو اس میں ذرہ برابر شریک نہ کریں۔

پھر آپ نے تھوڑی دور چلنے کے بعد پہلے کی طرح فرمایا۔۔۔ معاذ!

میں نے کہا، ارشاد فرمایئے، حاضر ہوں اور آپ کا وفادار و مطیع ہوں،

آپؐ نے فرمایا،۔۔۔ کیا تم جانتے ہو بندوں کا اپنے خدا پر کیا حق ہے؟

میں نے عرض کیا،۔۔۔ اللہ و رسولؐ اس کے خوب واقف ہیں، آپ نے میرے اس جواب پر فرمایا:

''اللہ کے فرمانبردار بندوں کا اپنے مولا پر یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے''

Marfat.com

خدا کے رسولؐ اور رسولؐ کے صحابی کا یہ مکالمہ اللہ اور بندے کے تعلق کو بہت واضح اور نمایاں کرتا، اور شان الوہیت اور شان بندگی کو بہت خوبصورتی سے پیش کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ اہم بات واضح کرنے سے پہلے حضرت معاذ بن جبلؓ کو تین بار اس انداز سے مخاطب کرتے ہیں کہ حضرت معاذؓ اپنے ہوش اور گوش کو پوری طرح مجتمع کر لیتے ہیں، تاکہ وہ آپؐ کی بات کو نہ صرف اطمینان سے سن سکیں بلکہ اس کے معنی و مفہوم کو بھی ٹھیک طرح سے ذہن نشین اور دل میں جاگزین کر سکیں، تب آپؐ نے وہ بات کہی جسے دین کا حاصل اور مغز کہا جاسکتا ہے، اس روایت میں اللہ تعالیٰ کی جو شان سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے، وہ انسان کو صرف اپنا عبادت گزار اور مطیع دیکھنا چاہتا ہے، وہ اپنی بندگی میں کسی کو ذرا بھی شریک نہیں کرنا چاہتا، اور عبد مسلم کو بغیر اپنی عبادت کے اور کسی کی عبادت کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے بندوں کی عبادت کا بہت قدردان ہے، وہ ہر ایک کی محنت کا پورا پورا اجر دینے والا ہے، کوئی بھی سجدۂ عبودیت رائیگاں نہیں جانے دیتا، اور بندے کو اس کی بندگی کا صحیح معاوضہ عطا فرماتا ہے، اور بندے کے جملہ اعمال حسنہ میں سے اسے سب سے زیادہ محبوب عمل بندے کا اللہ کی عبادت کے لئے یکسو ہونا ہے، اسی طرح اس روایت سے بندے کا جو مزاج سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اگر صدق دل سے اپنے رب کی عبادت کرتا ہے تو وہ بجا طور پر اس کا حقدار ہے کہ وہ اس عمل کا اللہ سے اجر کا طالب ہو، اور اللہ بھی مغفرت کو بندے کا حق سمجھ کر اسے ادا کرتا ہے، اور وہ اس باب میں بہت فیاض اور مہربان ہے۔

قرآن مجید میں بھی ایک سے زائد بار یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے مگر شرک وہ ظلم عظیم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے حق پر بھی زد پڑتی ہے اور بندہ بھی حق مغفرت سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پہلے نبی سے آخری نبی رسول کی تعلیمات کا نقطہ ماسکہ یہی رہا ہے کہ توحید اسلام کی جڑ ہے اور شرک کا عقیدہ اس جڑ کے لئے تیشہ! شرک عبادت میں ہو، حقوق میں ہو یا صفات الٰہی میں، یہ سب سے بڑا جرم ہے، بندے کی بندگی اگرچہ اس کا مقصد زیست، نعمتوں پر اظہار

Marfat.com

تشکر اور خدا کا مطالبہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ازرہ عنائت و کرم اسے بندے کا اپنے اوپر حق قرار دے دیا، اور اس کے بہترین اجر کا وعدہ فرمایا، یہ اس کی بندہ نوازی اور انتہائے کرم ہے۔

OOOO

Marfat.com

چار حکیمانہ سوال و جواب

ایک شخص آیا اور چھوٹتے ہی حضرت علیؓ سے کہا، یا حضرت، میں ذہنی خلش سے دوچار ہوں، آپ کی خدمت میں چار سوال رکھتا ہوں، جتنے لفظوں پر میرا سوال مشتمل ہو اتنے الفاظ میں اس کا جواب دیجئے، نہ زیادہ نہ کم، میں آپ کے جوابات کو اپنا نصاب عمل بنانا چاہتا ہوں، اگر وہ مجھے متاثر کر گئے، تو پھر میں دین کے معاملے میں کوئی اور سوال نہیں کروں گا، اور میرا وعدہ ہے کہ میں ان پر عمر بھر عمل پیرا رہوں گا، آپ نے ایک ہی سانس میں اس کے استفسار ردعمل اور عہد و پیمان پر قدرے حیرت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا، پوچھو کیا پوچھنا ہے؟ وہ شخص بولا اور اپنے ذہن میں ترتیب دیئے گئے سوالات کو ایک ایک کر کے آپ کے سامنے پیش کرتا گیا، اور حضرت علیؓ نے ہر سوال کا فی البدیہہ اور برجستہ جواب ارشاد فرمایا، اور اپنے شہر علم کے باب عظیم ہونے کا ثبوت مہیا فرمایا۔

اس شخص کا پہلا سوال تھا۔

"قریب کیا ہے اور قریب تر کیا ہے؟

آپؓ نے فرمایا:

"قریب قیامت ہے اور قریب تر موت"

وہ شخص ایسا برجستہ، خوبصورت اور مکمل جواب سن کر ششدر رہ گیا اور بڑے اعتماد سے اس نے دوسرا سوال کیا۔

یہ فرمایئے "واجب کیا ہے اور واجب تر کیا ہے؟

آپؓ گویا ہوئے:

"واجب توبہ کرنا ہے اور واجب تر گناہ سے بچنا ہے"

پوچھنے والا یہ جواب پا کر بہت مطمئن اور مسرور ہوا اور ساتھ ہی تیسرا سوال داغ دیا، جناب، یہ بتایئے۔

''عجیب کیا ہے اور عجیب تر کیا ہے؟

جناب علیؑ نے بے ساختہ فرمایا:

''عجیب دنیا ہے اور عجیب تر طالب دنیا''

اپنے تیسرے سوال کا یہ اس قدر شافی جواب پا کر پوچھنے والے کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور اپنا آخری سوال آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے بولا:

''مشکل کیا ہے اور مشکل تر کیا ہے؟''

حضرت علیؑ نے چوتھا اور آخری سوال سن کر فرمایا، میرے بھائی:

''مشکل قبر میں اترنا ہے اور مشکل تر بغیر نیک اعمال کے قبر میں جانا ہے''

چاروں سوالات کے تسلی بخش جوابات سن کر سائل آپ کی محفل سے خوش ہو کر اٹھا اور کہا میرے ذہن کی خلش کافور ہو گئی، دل کا غبار دھل گیا اور طبیعت کا بوجھ اتر گیا۔

ذرا غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ چاروں سوال اگر معنی خیز تھے تو جوابات ان سے بڑھ کر حکمت آمیز تھے۔ اس میں کیا شک ہے کہ ایک مومن قیامت کے وقوع کو اگر بہت یقینی سمجھتا ہے تو موت اس سے زیادہ قریب ہے جس کے لئے مسلمان تو کیا ہر انسان کو تیار رہنا چاہیے، توبہ اگر بہت ضروری ہے تو کیوں نہ زندگی اس طرح بسر کی جائے کہ گناہوں سے ہر ممکن گریز ہوتا کہ توبہ کی ندامت سے انسان بچ جائے کیونکہ جس سے گناہ سرزد ہوتا ہے اسے حتمی طور پر گناہ کے صدور کا علم اور یقین ہوتا ہے جبکہ توبہ کے قبول ہونے کا معاملہ اس قدر یقینی نہیں وہ تو اللہ کا معاملہ ہے قبول کرے یا نہ کرے، احتیاط اسی میں ہے کہ گناہ سے بچا جائے، دنیا کی ترغیبات بلاشبہ بہت عجیب ہیں اس کا رنگ، اس کی کشش، اس کا تنوع اور اس کی لذت بے حد عجیب ہے مگر اس کا رنگ جلد فق ہونے والا، اس کی کشش کھو جانے والی، اس کا تنوع مٹ جانے والا اور اس کی لذت غارت ہونے والی ہے، تو پھر طالب دنیا سے بڑھ کر عجیب شخص کون ہوگا

Marfat.com

جو فق ہونیوالے رنگ پر ریجھے، کھو جانے والی کشش میں کھوئے، مٹ جانے والے تنوع کو دائمی سمجھے اور غارت ہو جانے والی لذت میں ڈوبے۔

حضرت علیؓ کی طرف سے اس قدر دانشمندانہ اور عالمانہ جوابات بہت حیران کن اور تعجب انگیز ہیں مگر ان سے بڑھ کر جناب علی المرتضیٰؓ کا یہ فرمان مدعیان علم وخرد کے لئے بڑا تازیانہ ہے کہ آپؓ نے ایک بار بھری محفل میں فرمایا: ''میں نے آج علم کی معراج پالی ہے'' احباب نے پوچھا آپ کے عالم ہونے میں کس کو کیا شبہ ہے مگر آج کیا نکتہ کھلا کہ آج آپؓ اس طرح فرمارہے ہیں، آپ نے کہا:

''آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا''

دراصل یہی احساس واعتراف کسی کو علم کی معراج عطا کر دیتا ہے، اور ہر صاحب علم کا ہمیشہ یہی انداز رہا ہے۔

OOOO

Marfat.com

عالمانہ وقار

ایک عالم کی ذمہ داریاں مختلف النوع ہوتی ہیں، اور اسے بیک وقت کئی مراحل کو عبور کرنا اور کئی مقامات کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، صحیح عالم وہ ہوتا ہے جسے اپنے علم کا پاس و لحاظ ہو، علم اسے متکبر تو نہ بننے دے البتہ خود دار بنا دے، وہ بے نیاز طبیعت کا مالک ہو اور اپنی ذات کو انجمن بنانے کا گر آتا ہو، حق تو ہر موقع پر کہے مگر حکمت کو بھی سامنے رکھے، وہ دنیا میں تو پوری طرح رہے اور بسے مگر دنیا دار نہ بنے، بازار سے ضرور گزرے لیکن خریدار نہ بنے، وہ محض عبا و قبا اور جبہ و دستار کو ذریعہ وقار نہ بنائے بلکہ روشن کردار کو پیش کرے علماء میں نخوت نہیں ہوتی غیرت ضرور ہوتی ہے، ذات کے لئے نہیں اپنے منصب کے لئے نہیں، علماء مغرور نہیں ہوتے غیور ہوتے ہیں، وقار علم کی حفاظت اور عظمت دین کی خاطر، عالمانہ وقار اور شان کا ایک تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ دردمندوں کی مجلس میں خاکسار اور تاجوروں کی محفل میں کوہ وقار بن کر بیٹھتے ہیں۔

ایک خدا ترس عالم کبھی قرب شاہی کا طالب نہیں ہوتا مگر شاہوں کے دربار میں جاتا ضرور ہے تاکہ شاہی استکبار کو جھنجھوڑنے کا موقع ملے، وہ گلی کوچے سے لے کر قصر و ایوان تک پہنچتا ہے تاکہ اتمام حجت ہو جائے، وہ گلی کا پھیرا لگانے اور دربار میں بستر بچھانے والا نہیں ہوتا، وہ میر و وزیر سے کچھ لینے نہیں دینے جاتا ہے اچھی نصیحت اور کلمہ عبرت، عالم کو نک چڑھا بھی نہیں ہونا چاہیے اور بادشاہ کا منہ چڑھا بھی۔

بعض علماء و مشائخ وہ ہیں جو کبھی مکتب و مسند چھوڑ کر کہیں نہیں گئے اور بعض وہ بھی ہیں جو کاخ شاہی تک جا پہنچے، دونوں گروہ قابل احترام ہیں بشرطیکہ پہلا طبقہ کسی نخوت کے باعث نہ بیٹھا رہا ہو اور دوسرا طبقہ دنیا کی رغبت لے کر نہ گیا ہو۔

جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے

Marfat.com

امام اعظمؒ خلفاء کی ہر پیش کش کو ٹھکراتے رہے مگر امام ابو یوسفؒ حلقہ امراء میں رہے، چونکہ دونوں نیک نیت تھے خدا نے ان کی عزت سلامت رکھی، امام اعظمؒ کی احتیاط اس لئے تھی کہ کہیں میرا نام ''شاہ کے حواریوں'' میں نہ درج ہو جائے اور امام ابو یوسفؒ کا اقدام اس لئے تھا کہ خلیفہ کہیں اناڑیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے، منزل ایک ہو تو راستے کا اختلاف کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، درباری اور ربانی علماء میں فرق یہ ہوتا ہے کہ پہلے کوچہ و بازار میں ادھم مچاتے اور دربار میں گونگے بن جاتے ہیں جبکہ دوسرے عوام کے جلسے میں زیادہ تر خاموش اور حکام کے حلقے میں پرجوش ہوتے ہیں اور نصیحت وعبرت اور دعوت وعزیمت کے ہر موقع پر بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ایک بار حضرت امام شافعیؒ خلیفہ ہارون الرشید کے ہاں تشریف فرما تھے، محفل عروج پر تھی، ہارون مسند پر فروکش تھا اور حاضرین ہمہ تن گوش ہارون الرشید کو نجانے کیا سوجھی کہ حضرت امام شافعیؒ سے پوچھا کہ آپ بڑے حاضر دماغ اور بحرالعلوم ہیں ذرا بتایئے تو ''اس وقت خدا کیا کر رہا ہے؟''

آپ نے فرمایا اس سے پہلے آپ امیر تھے اور میں رعایا اب آپ سائل ہیں اور میں مجیب میری اور آپ کی حیثیت میں اب فرق واقع ہو گیا ہے آپ فرش پر آ جایئے اور میں مسند پر بیٹھتا ہوں پھر سوال کیجئے میں جواب کے لئے حاضر اور تیار ہوں گا، چنانچہ خلیفہ وقت کو مصلحتاً یہ بات اور شرط ماننا پڑی اور مسند سے اٹھ کر فرش پر آ گیا، اپنا سوال دہرایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کیا کر رہا ہے؟ امام شافعیؒ نے بڑی برجستگی اور بے خوفی سے فرمایا:

''اس وقت اللہ تعالیٰ شاہ کو مسند سے اٹھا کر فرش پر اور فقیر کو فرش سے اٹھا کر مسند پر بٹھا رہا ہے تا کہ انسانوں کو معلوم ہو کہ مسند و منزلت کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا فرما دے''

جملہ حاضرین اس جواب پر عش عش کر اٹھے اور آپ کی علمیت اور خداداد حکمت کی داد دینے لگے، آپ نے اس موقع پر فرمایا کہ ایک عالم کو بادشاہ کی جنبش لب کا منتظر نہیں رہنا چاہیے کہ وہ جو کہے، اور جو پوچھے عالم اس کا جواب دینے میں خوشی محسوس

Marfat.com

کرے بلکہ عالم کو غیرت علم اور عالمانہ وقار بہر طور ملحوظ رکھنا چاہیے، اور اپنے منصب کے مطابق رویہ اپنانا چاہیے، تاکہ امراء اور حکام خود کو ہر چیز کا مالک نہ سمجھنے لگ جائیں، علم معاشرے کے لئے آخری فصیل ہوتی ہے اگر وہ کمزور ہو جائے تو نیک و بد اور رذیل و شریف ایک زمرے میں آ جاتے ہیں اور یوں تمیز خیر و شر ختم ہو جاتی ہے جب کہ انسانی معاشرے کی فلاح و بقاء تمیز خیر و شر سے مشروط ہوتی ہے، موقع کی مناسبت سے ادا کئے جانے والے ان کلمات نے ہارون الرشید کا پندار توڑ دیا اور امام شافعیؒ کا عالمانہ وقار بڑھا دیا۔

OOOO

Marfat.com

ماں

کہنے کو تو ملک کی صدارت سب سے بڑا عہدہ ہے، وزارت عظمیٰ خوش بختی کی انتہا ہے اور فیکٹریوں اور مربعوں کا مالک ہونا ترقی وخوشحالی کا نقطہ کمال ہے مگر خدا لگتی بات یہ ہے کہ ملک کی صدارت ماں کی شفقت، وزارت عظمیٰ ماں کی دعا اور فیکٹریاں اور مربعے ماں کے محبت آمیز لہجے کا بدل نہیں بن سکتے، ضروری نہیں کہ ماں کا تعلق بڑے خاندان سے ہو وہ آکسفورڈ اور برکلے کی فارغ التحصیل ہو اور سماجی اور سیاسی رتبے کی حامل ہو بلکہ ماں فقط ماں ہوتی ہے باقی اضافتیں اور حوالے بے معنی ہیں جس طرح گلاب کا کوئی سا نام رکھ لو اس کی طراوت اور لطافت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اس طرح ماں شاہی خاندان سے ہو یا معمولی محنت کش گھرانے سے تعلق رکھتی ہو وہ نبی وقت اور مجتہد عصر کے لئے مرکز احترام ہوتی ہے خدا دیدۂ بینا دے تو ماں کے گارے میں لتھڑے ہوئے کپڑے خلعت شاہی سے زیادہ قیمتی نظر آتے ہیں، ماں اوپلے تھاپ رہی ہو تو اس کے وہ ہاتھ تقدیر مبرم کو ٹالنے کی قدرت رکھتے ہیں، ماں لوری دے رہی ہو تو اس کے لہجے میں جبریلؑ بولتا نظر آتا ہے، ماں تنور پر روٹیاں لگا رہی ہو تو وقت کے بادشاہ اس کے آگے ایک ٹکڑے کے سوالی نظر آتے ہیں، ماں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دے تو سارے جہانوں کا مالک عرش سے دو زینے نیچے اتر کر اس سے ہمکلام ہوتا ہے، ماں کی آنکھیں نم آلود ہوں تو کارکنان قضا وقدر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا ہے ماں کا دل اداس ہو تو جنت کے شگوفے مرجھانے لگتے ہیں، ماں دامن پھیلا دے تو خدا اپنی جنت کی ساری نعمتیں اس میں انڈیل دیتا ہے، ماں اپنے بچے پر میلا آنچل ڈال دے تو رحمت خداوندی گھٹا بن کر چھا جاتی ہے، اور اللہ نہ کرے ماں کی نگاہ غضب آلود ہو جائے تو عرش الٰہی تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔

Marfat.com

کرسی صدارت پر بیٹھنے سے وہ عزت کہاں ملتی ہے جو ماں کے قدموں میں لپٹنے سے نصیب ہوتی ہے، وزارت کا حلف اٹھانے میں وہ لطف کہاں جو ماں کے جوتے اٹھانے میں آتا ہے، عالیجناب اور عزت مآب کہلوانے میں وہ سرور کہاں جو ماں کے ''میرے لعل'' کہنے میں ہے، سول اور فوجی حکام کو اپنے ہاتھ سے ایوارڈ اور میڈل دینے میں وہ لذت کہاں جو ماں کے ہاتھ سے خرچی کا ایک روپیہ لینے میں ہے، جنت کی مخملیں مسہریوں پر لیٹنے میں وہ نشہ کہاں جو ماں کی گود میں حاصل ہوتا ہے، غزالیؒ و رازیؒ کے فلسفے اور رومیؒ و سعدیؒ کے شعر و سخن میں وہ حسن کہاں جو ان پڑھ ماں کی لوری میں گھلا ہوا ہوتا ہے، قوس وقزح کے حسین رنگ دنیا میں ضرب المثل بن چکے ہیں، مگر ماں کے بے لوث پیار کا رنگ بہت دلآویز ہوتا ہے، گلاب کی پنکھڑی لاکھ نازک سہی مگر ماں کے آبگینہ محبت کی لطافت کا کیا مقابلہ؟ کنول کا پھول بہت شفاف ہوتا ہے مگر ماں کا آئینہ دل اس سے بڑھ کر شفاف ہوتا ہے۔ چاند کی چاندنی بڑی خنک ہے مگر ماں کے سائے کی ٹھنڈی چھاؤں کا کیا جواب ہے، نسیم سحر کا پر لطف جھونکا اپنی جگہ مگر ماں کے دامن کی ہوا کا مقابلہ کون کرے، اگرچہ صحرا کے ذروں، سمندر کے قطروں اور جنگل کے پتوں کو کوئی نہیں گن سکتا پھر بھی ایسے کمپوٹر ایجاد ہو چکے ہیں جو ان کا شمار کر لیں لیکن ماں کے پیار کا شمار حد امکان سے باہر ہے۔

خالق کائنات نے ماں کے سینے میں اپنی رحمت اور اس کے رویے میں اپنی ربوبیت بھر دی ہے، یہ تو ممکن ہے کوئی سمندر کے پاتال تک پہنچ جائے مگر کسی میں دم نہیں کہ وہ ماں کے پیار کا پاتال پا سکے، ماں کا وجود آخر ایسی نعمت تو ہے کہ متحدہ ہندوستان کا فرمانروا اورنگ زیب عالمگیر کہہ اٹھا ''ماں کے بغیر گھر قبرستان لگتا ہے''

آخر اورنگ زیب کو کس چیز کی کمی کا احساس تھا؟ بادشاہت ورثے میں ملی، پچاس برس حکومت کی اورنگ زیب کا لقب پایا اور عالمگیر کہلایا مگر ماں کی ممتا سے بے نیاز نہ ہو سکا۔

نادر شاہ درانی جیسا تیر و تفنگ سے کھیلنے والا جرنیل اپنی ساری خشونت اور صلابت بھلا کر کہتا ہے:

Marfat.com

''ماں اور پھولوں میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آیا''

رئیس لاحرار محمد علی جوہر آکسفورڈ کے ڈگری ہولڈر تھے، عظیم صحافی تھے اور عالمی شہرت کے سیاستدان مگر انہیں سیاست، صحافت اور ادب میں وہ حسن نظر نہ آیا جو ماں کی شخصیت میں دکھائی دیا، فرماتے ہیں:

''دنیا کی سب سے حسین شے ماں اور صرف ماں ہے''

فیلسوف مشرق، حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے ماں کی یاد میں جو نظم لکھی اسے عالمی ادب کا شہ پارہ مانا جاتا ہے، وہ ماں کی عظمت کو یوں سلام پیش کرتے ہیں:

''سخت سے سخت دل کو ماں کی پرنم آنکھوں سے نرم بنایا جاسکتا ہے''

یورپ کا نامور شاعر ملٹن اپنے سارے ذخیرہ ادب کا نچوڑ اس طرح پیش کرتا ہے:

''آسمان کا سب سے بہترین تحفہ ماں ہے''

لیکن آیئے کائنات کی سب سے محترم اور برتر شخصیت کی بات سنیئے سچ ہے بادشاہ کا کلام تکلم کا امام ہوتا ہے، حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے:

''جنت ماں کے قدموں میں ہے''

جنت ابدی خوشی اور دائمی کامرانی کی آخری منزل ہے اور یہ آخری منزل ماں کی دہلیز کا رتبہ اول ہے، سچ ہے ماں کی شفقت میں اللہ کی ربوبیت جھلکتی ہے۔

OOOO

پندار دولت

''خوش نصیبی'' ایک ایسا تصور یا نظریہ ہے جس کی تشریح ہر ایک اپنے ذوق کے مطابق کرتا ہے، عمومی طور پر اسے خوش نصیب سمجھا جاتا ہے جو سونے کا نوالہ منہ میں لے کر پیدا ہو، جسے موروثی طور پر معمولی محنت کے بعد اقتدار نصیب ہو جائے، جسے قدرت نے کڑیل اور جوان بیٹے دے رکھے ہوں، جو بڑی برادری اور قبیلے کا ہو، جس شخص کو سرکار دربار میں بڑا اثر و رسوخ حاصل ہو، جو بڑے کاروبار اور بنگلے اور کار کا مالک ہو، لیکن کیا خوش نصیبی اسی کا نام ہے؟ اور جو دولت، طاقت، اقتدار، برادری اور کاروبار کا مالک ہو واقعی وہ خوش نصیب ہے؟ اس بارے میں ابھی تک کوئی حتمی فیصلہ اور قطعی نتیجہ نہیں آیا، قارون بہت بڑے اور قیمتی خزانوں کا مالک تھا، لوگ اس کی شان و شوکت دیکھ کر غش کھاتے تھے، پورا گردوپیش اسے رشک آمیز نظروں سے دیکھتا تھا، اسے خود بھی اپنی دولت پر بڑا غرور اور گھمنڈ تھا، بعض روایتوں کے مطابق انسانوں کی ایک جماعت اس کے خزانوں کی چابیاں اٹھانے پر مامور تھی، کئی علاقوں اور شہروں تک اس کی دولت کی دھوم تھی، قارون جس جانب نکلتا لوگ اسے ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھتے اور اس کی خوش بختی پر حیرت و حسرت کا اظہار کرتے، کتنے لوگ اس آرزو میں مرے جا رہے تھے کہ کاش اس دولت کا کچھ حصہ انہیں بھی نصیب ہوتا تو وہ دنیا کے خوش قسمت افراد میں شمار ہوتے، قرآن مجید میں قارون اس کی دولت اور نفسیات کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے:

''قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، سو اس نے ان کے مقابلے میں گھمنڈ اختیار کیا، اور ہم نے اسے کتنے خزانے دے رکھے تھے، کہ اس کی چابیاں طاقت ور لوگوں کی ایک جماعت کو گراں بار کر دیتی تھیں، جب کہ اس کی قوم نے اس سے کہا فخر مت کرو

Marfat.com

اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور جو کچھ تجھے اللہ نے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے لئے بھی کچھ کر اور دنیا کا حصہ بھی نکال، اور جس خدا نے تیرے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے تو بھی بندوں کے ساتھ ویسا ہی اچھا معاملہ کر اور زمین میں فساد مت برپا کر، کیوں کہ اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں فرماتا اس نے کہا مجھے تو یہ سب کچھ میری ہنر مندی کے باعث ملا، کیا اسے علم نہ تھا کہ اللہ اس سے پہلے بھی اس طرح کے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جب کہ وہ طاقت میں اس سے زیادہ اور افرادی قوت میں اس سے بڑھ کر تھے، اور مجرموں کے بارے میں کچھ زیادہ تحقیق و تفتیش کی نوبت نہیں آتی، پھر وہ بڑے اہتمام اور اجلال کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے اتراتا ہوا نکلا، جو لوگ دولت دنیا کے طالب اور متوالے تھے، بولے، کاش ہمیں بھی ایسا ہی ساز و سامان میسر ہوتا جیسا قارون کو نصیب ہوا ہے بیشک وہ بڑا خوش نصیب ہے اور جن لوگوں کو صحیح علم عطا ہوا تھا وہ بولے حیف ہے تم پر، اللہ کے ہاں ثواب بہتر ہے جو انہیں ملتا ہے جو ایمان لائیں اور اچھے کام کریں، اور ایسا اجر صرف صبر والوں کے لئے وقف ہے، پھر ہم نے قارون کو اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا، تب کوئی گروہ ایسا نہ تھا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا لیتا، اور نہ ہی وہ خود اپنی مدد کرنے پر قادر تھا، اور کل جو لوگ اس جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ اب کہنے لگے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فراخ روزی عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگدستی دیتا ہے اگر ہم پر اللہ کا کرم نہ ہوتا تو ہم کو بھی دھنسا دیتا'' (سورۃ القصص۔ ۷۶ تا ۸۲)

بجا کہ دولت بڑی چیز ہے لیکن جب وہ نخوت میں بدلتی ہے تو انسان کے لئے ذلت اور ہزیمت کا باعث بن جاتی ہے، دولت خوش نصیبی کا بدل نہیں، ایک آدمی اگر بہت سی دولت پا کر بھی ھل من مزید کے مرض میں مبتلا ہو، دولت جمع کرنے کے ہذیان میں گرفتار ہو، رات کا چین اور دن کا سکون برباد کئے رکھے، اور بھوکے کتے کی طرح وہ ہر کوڑے کا ڈھیر اور گلی کوچہ سونگھتا پھرے تو پھر ایسی دولت وجہ مسرت نہیں رہتی بلکہ سراپا زحمت بن جاتی ہے، ہاں وہ دولت مند خوش نصیب ہے جو دنیا و آخرت کا حصہ الگ الگ کرے، نہ تو اللہ کی حدود توڑ کر دولت بنائے اور نہ بندوں کے حقوق پامال کر کے

Marfat.com

اسے بے دریغ لٹائے بلکہ اللہ کی راہ میں اسے خرچ کرے اور مخلوق خدا کی فلاح کے لئے اسے وقف رکھے، ایسے شخص کے لئے دولت خدا کی رحمت اور موجب سعادت بن جاتی ہے، قارون اور حضرت عثمانؓ میں یہی بنیادی فرق تھا ایک دولت کو خدا سمجھتا تھا اور دوسرا دولت کو خدا کی عطاء سمجھتا تھا سوچ کے اس فرق نے قارون کو مردود خدا اور عثمانؓ کو محبوب خلائق بنا دیا۔

OOOO

Marfat.com

غرور اقتدار

پندار دولت کی طرح غرور اقتدار بھی ایک ایسا نشہ ہے جو ترشی کی بہت بڑی مقدار کے بعد بھی کم ہی اترتا ہے، مقتدر شخص کی یہ نفسیات بن جاتی ہے کہ وہ خود کو عقل کل اور مالک مطلق سمجھنے لگ جاتا ہے پلٹ کر کبھی اپنے انجام اور اپنی عاقبت کے بارے میں سوچنا وہ اپنی توہین سمجھتا ہے صاحب اقتدار شخص اس زعم اور فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کا اقتدار ایک ایسی چھاؤں ہے جو کبھی ڈھلتی نہیں اور یہ وہ عزت ہے جو کبھی ہاتھوں سے نکلتی نہیں، حالانکہ گردش لیل و نہار اور زمانے کی الٹ پھیر بار بار اس پر گواہی دے چکی ہے کہ دولت ہو یا حکومت یہ دونوں آنے میں تو کچھ دیر لگاتی ہیں لیکن جانے میں دیر نہیں کرتیں، کتنے شاہان وقت تھے جنہیں لوگوں نے برسر اقتدار بھی دیکھا اور بر سر دار بھی، جن کے نام کے نقارے بجتے تھے انہی کے لئے مردہ باد کے نعرے بھی گونجتے ہیں، ان کے دروازوں پر اگر کبھی ہاتھی جھومتے تھے تو ان کی لاشیں ہاتھیوں کے پاؤں تلے روندی بھی گئیں، اور جن کا کسی زمانے میں بڑا دبدبہ اور غلغلہ تھا وہ بر سر عام عبرت کا نمونہ بھی بنے۔

جن کی نوبت کی صدا سے گونجتے تھے آسماں
دم بخود ہیں مقبروں میں، ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

فرعون بھی ایک ایسا بادشاہ گزرا ہے، جو ترنگ میں آکر "انا ربکم الاعلیٰ" کہہ اٹھتا تھا، جسے یہ خیال تھا کہ مصر کے دریا اس کے حکم سے بہتے ہیں، وہ لوگوں کی موت و حیات کا مالک ہے، اس کا اشارہ ابرو کسی کو عزت کے بام پر بٹھا اور کسی کو ذلت کے پاتال میں گرا سکتا ہے، حالانکہ یہ اس کا ایک خواب تھا محروم تعبیر، اور ایک سراب تھا فقط فریب نظر، اللہ تعالیٰ نے اس برخود غلط قسم کے انسان کی رسوائی اور بربادی کا نقشہ

Marfat.com

اپنی کتاب میں جابجا کھینچا ہے، سورۃ البقرہ، الاعراف، بنی اسرائیل اور طٰہٰ اور القصص میں فرعون اور بنی اسرائیل کی شیخیاں، عہد شکنیاں، نافرمانیاں، اور بدمستیاں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ دونوں بھائیوں کو نبی کی حیثیت میں فرعون کے پاس بھیجا کہ وہ اسے سمجھائیں کیوں کہ وہ بہت باغی اور سرکش ہو چکا تھا، مگر فرعون پندار اقتدار میں اس قدر غرق ہو چکا تھا کہ اس نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو خدا کا پیغمبر ماننے اور سمجھنے کے بجائے ایک ''جادوگر'' قرار دے دیا اور مقابلے کے لئے ملک بھر سے جادوگر طلب کر لئے، یہ غرور حکومت کا بڑا بھونڈا مظاہرہ تھا۔

داستان فرعون وکلیم قرآن مجید کا بڑا مرکزی اور مفصل موضوع ہے اس لئے کہ فرعون محض برائی کا مفرد نمونہ نہیں بلکہ ''مرکب برائی'' کا سمبل تھا، فرعون ظالم بھی تھا اور مغرور بھی، بدعنوان بھی تھا اور بدقماش بھی، عیار بھی تھا اور مکار بھی، جفا جو بھی تھا اور حیلہ جو بھی، اس نے بڑی لمبی مدت تک حکومت کی، اور اللہ نے بھی اتمام حجت کے طور پر اسے خاصی مہلت دی، مگر جو اس کا انجام ہوا وہ رہتی دنیا تک کے تمام ظالم و جابر اور مغرور و متکبر حکمرانوں کے لئے نمونہ عبرت ہے۔

فرعون نے پوری قوم کو اپنا یرغمال بنا رکھا تھا، قوم کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا اور جوانوں کو مروا دیتا تھا، حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی آزادی کی بات کی تو وہ بے قابو ہو گیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ کو اپنے چند ساتھیوں سمیت شہر سے نکلنا پڑا فرعون نے آپ کے پیچھے اپنی فوجیں لگا دیں، اور بالآخر دریا کے کنارے پہنچ کر اس کی مہلت کی دراز رسی کھینچ لی گئی اور فرعون اپنی ذریت سمیت غرقاب ہو گیا، واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون (اور ہم نے فرعون اور اس کی ذریت کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے)

سورۃ القصص میں ہے:

''بے شک فرعون زمین میں بہت مغرور ہو گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر دیا تھا ان میں سے ایک گروہ کو وہ کمزور کر رہا تھا ان کے جوانوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا، واقعی وہ بڑے مفسدوں سے تھا،

Marfat.com

اور ہم نے چاہا کہ ہم کمزور لوگوں پر احسان کریں اور انہیں امامت کا منصب اور زمین کی وراثت سونپیں، اور ہم انہیں زمین کی حکومت دیں، اور فرعون اور ان کے جتھے کو وہ کچھ دکھلائیں جس سے وہ بچنا چاہتے تھے" (آیت۔4 تا 6)

داستان فرعون وکلیم پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خرابی حکومت میں نہیں حاکم کی نفسیات میں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے جب فرعون کی جگہ حضرت موسیٰ کو حکومت دی اور اس سے پہلے حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ بھی حکومت کر چکے ہیں مگر ان میں نہ غرور آیا اور نہ گھمنڈ اور نہ فخر، یہ لوگ بیک وقت روحانی اور سیاسی منصب پر فائز رہے یعنی نبوت و بادشاہت، مگر خدا کے فرمانبردار اور صالح بندے بن کر رہے، مسئلہ حکومت کا نہیں غرور حکومت کا ہے، جو انسان کو برے انجام سے دوچار کر دیتا ہے۔

OOOO

Marfat.com

بعد از مرگ واویلا

مثل مشہور ہے ''وقت کی نماز اور بے وقت کی ٹکریں'' یعنی کام وہی جو وقت پر ہو وہ داؤ جو کشتی کے بعد یاد آئے بیکار ہے اور وہ دوا جو مرنے کے بعد پہنچے بے سود ہے، اس لئے فرصت غنیمت ہی نہیں بہت بڑی نعمت ہے، بشرطیکہ اس کا کوئی مصرف ہو، ورنہ ساعتیں دنوں میں، دن برسوں میں اور برس ایک طویل عمر میں ڈھل کر رائیگاں ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ پچھتاوا ہمیشہ بے نتیجہ رہا جو چڑیوں کے کھیت چگ جانے کے بعد ہوا، یہی وہ حقیقت ہے جسے دنیا کی فصیح ترین شخصیت نے نہایت بلیغ انداز میں اس طرح پیش فرمایا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''تم پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو
اپنی جوانی کو بڑھاپا آنے سے پہلے
اپنی صحت کو بیماری آنے سے پہلے
اپنی خوشحالی کو محتاجی سے پہلے
اپنی فراغت کو مصروفیت سے پہلے
اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے''

یہ پانچ چیزیں ہر ایک کے لئے بہت بڑی نعمت ہیں لیکن ان کا احساس وادراک اس وقت ہوتا ہے جب یہ ہاتھ سے جا چکتی ہیں ورنہ اس سے پہلے انہیں معمول کی چیزیں سمجھا جاتا ہے، یہ تو کسی بوڑھے سے پوچھا جائے کہ جوانی کیا ہوتی ہے؟ اس کی ایک لمبی آہ سرد ساری کہانی بیان کر دیتی ہے، بڑھاپا آتے ہی اعصاب کمزور پڑ جاتے ہیں، نظر دھندلا جاتی ہے، چستی کی جگہ تھکاوٹ لے لیتی ہے، استعداد کار آدھی سے بھی کم رہ جاتی ہے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت زنگ آلودہ ہو جاتی ہے، کوئی اور عارضہ لاحق

Marfat.com

نہ بھی ہو بڑھاپا بذات خود ایک عارضہ بن جاتا ہے، اور آدمی کو نڈھال کر دیتا ہے، صحت بھی انہی بے مثال نعمتوں میں سے ایک ہے جس کی قیمت کم از کم اس بازار دنیا میں دستیاب نہیں، صحت ہی سے ساری رونقیں اور رنگینیاں ہیں، کھانا اور کھانے کا لطف اسی سے ہے صحت ہو تو خشک نوالے سونے کے بن جاتے ہیں نہ ہو تو گھی بھی زہر قاتل اور گلے کی پھانس، صحت تو دولت کا نعم البدل ہے مگر دولت صحت کا بدل ہرگز نہیں، جس طرح نگاہیں اداس ہوں تو بہاریں بے کیف لگتی ہیں اس طرح صحت نہ ہو تو دنیا کی ہر رونق بے لطف بن جاتی ہے، خوش حالی بھی اللہ کی ایک خاص عطا ہے، بندے کی ہر ضرورت بر وقت پوری ہو، دن رات فکر معاش میں غلطاں نہ ہوں، انسان اپنی حاجات دوسروں کے پاس لے جانے کی ذلت سے بچا ہوا ہو، فکری و دماغی صلاحیتوں کا واحد مصرف روٹی روزگار نہ ہو اس سے بڑھ کر اچھی زندگی کا نقشہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ آدمی خوشحال ہو اور متوازن مزاج بھی تو اس کی کارکردگی کو پر لگ جاتے ہیں اور کوئی شخص پڑھا لکھا ہو ہنر مند ہو ذہین ہو اور باصلاحیت ہو مگر فکر معاش سے فارغ نہ ہو تو وہ اس پرندے کی مانند ہے جس کے سامنے کھلی فضا ہو، مگر پر بریدہ ہو اور اڑ نہ سکے۔

اسی طرح فراغت بہت غنیمت معلوم ہوتی ہے جب بندہ حالات کے ہاتھوں ہجوم کار میں کھو جاتا ہے، اور پھر سوچتا رہ جاتا ہے کہ اگر فرصت ملی تو یہ کام کروں گا اور وہ کام کروں گا، مگر نہ فرصت ملتی ہے اور نہ کام کی مہلت نصیب ہوتی ہے، جوانی کے انعام ہونے میں کوئی کلام نہیں، صحت بلاشبہ بہت بڑی نعمت ہے، خوشحالی فارغ البالی کا دوسرا نام ہے اور فراغت تو عطیہ قدرت ہے مگر زندگی ان سب نعمتوں اور خوشیوں کا سرچشمہ ہے، جان ہے تو جہاں ہے اسی لئے کہا گیا ہے۔

زندگی بجائے خود ایک مکمل نعمت ہے، جب زندگی کی ڈور کٹنے لگتی ہے تب احساس ہوتا ہے کہ سب کچھ ہاتھ سے چلا گیا، اس لئے اس وقفہ مہلت کو خدا کے رسول نے غنیمت قرار دیا اور ان چیزوں کو بروئے کار لانے کی تلقین فرمائی، بعد از وقت یہ کہنا اس نقصان کی تلافی ہرگز نہیں کہ کاش جوانی ہوتی تو توبہ کرتا صحت رہتی تو یہ کرتا، خوشحالی ملتی تو یہ کرتا، فراغت ہاتھ آئی تو یہ کرتا، یہ احساس حسرت تو بن سکتا ہے شکر نعمت ہرگز نہیں

Marfat.com

ہر کام ہر وقت اور ہر اقدام برمحل، یہی اصول فلاح اور راز سعادت ہے، تاہم بہت کم لوگ اس سے آگاہ ہوتے ہیں لیکن یہی لوگ کام کے ہوتے ہیں۔

OOOO

Marfat.com

پیکر جرات

طاقت اور جرات ہر دور میں برسر پیکار رہی ہیں طاقت کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہوتی ہے کہ اس کا دامن دلیل سے خالی ہوتا ہے، اور وہ ہر گردن کو زدنی اور ہر بات کو گرفتنی سمجھتی ہے لیکن جنہیں قدرت نے جرات بخشی ہو اور وہ کردار اور عمل کی دولت رکھتے ہوں وہ کٹتے ضرور ہیں مگر جھکتے ہرگز نہیں اور وہ زخم تو سہتے ہیں مگر بات دل کی کہتے ہیں، یہی تیر اور سینے کا افسانہ اور زخم اور دل کی داستان ہے۔

حجاج بن یوسف کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا اور اس کی تلوار کوئی گردن اتارے بغیر نیام میں واپس نہیں جاتی تھی اس کی آنکھوں پر جبر و نخوت کی ایسی پٹی بندھی ہوئی تھی کہ وہ سرکشوں اور سرفروشوں میں تمیز کئے بغیر طاقت آزمائی کرتا تھا اس کے نزدیک ہر زبان کاٹ دینے اور سر اتار لینے کے قابل تھا، لیکن اسے ایسے جان فروشوں اور باضمیروں سے بھی واسطہ پڑا جنہوں نے اس کی ہر دلیل کو رد اور اس کی بڑائی کو روند کر رکھ دیا، معروف تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ انہی جفاکش اور وفاکیش لوگوں میں ہیں جو ضعیف العمر ہونے کے باوجود راسخ العقیدہ شخص تھے، جب آپ کو پاجولاں جرم بے گناہی کی سزا دینے کے لئے حجاج کے پاس لایا گیا تو حجاج نے زعم حکومت میں اس سے طویل بحث و مباحثہ شروع کر دیا مقصد انہیں ذلیل کرنا تھا مگر سر دربار وہ خود رسوا ہو کر رہ گیا۔

حجاج نے پوچھا، ''آؤ بڈھے تمہارا نام کیا ہے''؟ آپ نے بڑے تحمل سے فرمایا ''سعید بن جبیر'' حجاج بڑبڑایا ''نہیں تم شقی بن کسیر ہو'' آپ نے اشتعال میں آئے بغیر کہا ''میرے نام کا تمہارے مقابلے میں میری ماں کو زیادہ علم ہے'' حجاج بڑی بدتمیزی سے بولا ''تم بھی بدبخت ہو اور تمہاری ماں بھی'' آپ پہلے کی طرح باوقار رہتے

ہوئے بولے ''نیک بختی اور بدبختی کا علم ''غیب'' سے تعلق رکھتا ہے اور اللہ ہی عالم الغیب ہے'' حجاج آپے سے باہر ہوتے ہوئے چلایا ''تم حد سے بڑھ رہے ہو میں تمہاری زندگی جہنم میں بدل ڈالوں گا'' سعید نے حجاج کا یہ بڑا بول سن کر فرمایا ''میں یہ اختیار تمہارے ہاتھ میں نہیں سمجھتا ورنہ تمہیں خدا مان لیتا'' حجاج ذرا کھسیانا ہوا اور بات بدلتے ہوئے پوچھا ''تمہارا حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں کیا خیال ہے''؟ آپ نے فرمایا وہ رفیق رسولؐ تھے، صدق شعار اور راست باز تھے اور نبیؐ کے طریقے پر کاربند رہے'' حجاج نے اگلا سوال حضرت عمرؓ کے بارے میں کیا آپ نے اسی لہجے میں فرمایا'' وہ بھی رسول خدا کے ساتھی اور حق و باطل میں فرق کرنے والے اور اپنے پیش رو رفیق اور خدا کے رسول کی پیروی کرنے والے تھے'' حجاج نے اگلی سانس میں دریافت کیا ''تمہارا عثمانؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آپ نے پہلی سی روانی میں فرمایا ''وہ داماد رسول محسن اسلام اور مسلمانوں کے لئے مالی ایثار کرنے والے تھے''۔

حجاج نے اگلا سوال پیش کر دیا ''حضرت علیؓ کیسے تھے''؟ آپ نے فرمایا '' وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے حضورؐ کی آغوش میں تربیت پانے والے اور حکمت و دانش کے ساتھ معاملات چلانے والے تھے''۔

حجاج نے براہ راست اگلا اور نسبتاً چبھتا ہوا سوال داغ دیا'' اور خلیفہ عبدالملک؟''

آپ نے فرمایا'' اس کے جرائم میں سب سے بڑا جرم تمہاری تقرری اور تمہارا وجود ہے''؟ حجاج بھنا اٹھا اور جل کر بولا'' اور میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ حضرت سعید نے جواب میں فرمایا'' اپنے بارے میں خود تمہیں زیادہ معلوم ہے'' حجاج نے کہا ''نہیں تم مجھے کیا سمجھتے ہو''؟ آپ اسے زیادہ برافروختہ نہیں کرنا چاہتے تھے فرمایا'' میں کچھ کہوں گا تو بہت ناراض ہو جاؤ گے'' حجاج نے کہا'' میں کہلوا کر چھوڑ دوں گا'' آپ نے پھر پہلو بچانا چاہا اور بولے'' مجھے معاف کرو میں کچھ نہیں کہنا چاہتا'' حجاج کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور تڑخ کر کہا'' خدا مجھے معاف نہ کرے اگر میں تم سے جواب نہ پالوں'' تب آپ نے بڑے اعتماد سے فرمایا لو سنو؛ ''تم وہ شخص ہو خدا کی نافرمانی جس کا شعار اور مخلوق خدا پر ظلم جس کا کردار ہے تمہارا وجود زمین کے لئے بوجھ اور عوام

Marfat.com

کے لئے نحوست ہے اور تم وہ ہو۔۔۔" حجاج کا پیمانہ صبر چھلک اٹھا اور بات کاٹتے ہوئے درباریوں سے کہا "اس شخص کے سامنے اشرفیوں کا ڈھیر رکھ دو" اشرفیاں لائی گئیں تو آپ نے فرمایا "اگر تو یہ قیامت کے دن تمہاری بداعمالیوں کا فدیہ ہیں تو سنو یہ تمہارے کام نہیں آئیں گی اگر میرے لئے منگوائی ہیں تو یہ میرے کام کی نہیں" حجاج نے کہا تم عیش وعشرت سے اتنے گریزاں کیوں ہو؟ آپ نے فرمایا "جو مٹی سے بنا ہو اور جسے آگ کا ایندھن بنا ہو وہ عیش کے ساتھ کیسے جی سکتا ہے"؟

حجاج نے بانسری بجانے کا حکم دیا حضرت سعید بانسری کی آواز سن کر رو پڑے اور فرمایا "مجھے قیامت کے دن بجنے والے صور کی آواز یاد آ گئی ہے" حجاج کا جب کوئی بس نہ چلا تو غرایا کہ "اس بڈھے کو مقتل میں لے جاؤ" آپ کو گھسیٹ کر لے جایا جا رہا تھا اور آپ ہنس رہے تھے حجاج کو اس پر بہت غصہ آیا اور کہا ہنستے کیوں ہو؟ آپ نے کہا "خدا کے حکم اور تمہاری جسارت پر"

اس پر حجاج آگ بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ "سعید کا سر اڑا دیا جائے" آپ نے اطمینان سے آیت قرآنی پڑھی اور سوئے مقتل چل دیئے "میں اس خدا کی جانب متوجہ ہوتا ہوں جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور میں شرک کرنے والا نہیں"۔

OOOO

Marfat.com

خدا پرستی

دنیا کا وہ کون سا معرکہ، کون سی جنگی حکمت عملی، کون سی لشکر کشی اور کون سی فتح ہے جس کا ذکر حضرت خالد بن ولیدؓ کے بغیر مکمل ہوتا ہو، یورپی عسکری تجزیہ نگاروں نے مشرق اور مغرب میں پر شکوہ، کامیاب اور اولوالعزم سپہ سالار پوری تاریخ صرف دو دریافت کئے ہیں، مشرق میں حضرت خالد بن ولیدؓ اور مغرب میں جنرل رومیل، رستم و سہراب کا نام بلاشبہ بہت اونچا اور معروف ہے مگر مقام اس قدر بلند نہیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سیف اللہ'' کا باوقار اور لازوال لقب عطا فرمایا اور دنیائے حرب وقلم میں وہ اسی معزز لقب سے مشہور ہیں، شام وعراق بھی آپ کی قیادت میں مفتوح ہوئے، وہ معرکہ احد میں قریشی لشکر کے سردار تھے اور فتح مکہ کے موقع پر اسلامی لشکر کے ممتاز کمانڈر، رشتے میں وہ حضرت عمرؓ کے ماموں زاد بھائی تھے، حضرت عمرؓ نے برسر اقتدار آتے ہی خالد بن ولیدؓ کو اسلامی لشکر کی کمانڈ سے معزول کر دیا، اور بظاہر کوئی سنگین اور بڑی چارج شیٹ بھی پیش نہیں فرمائی، یہ 13ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلے اور خالد بن ولیدؓ کی معزولی پر مسلمانوں میں چہ میگوئی بھی ہوئی اور پریشانی بھی پیدا ہوئی کیوں کہ خالد بن ولیدؓ کے بارے میں یہ طے تھا کہ وہ جس جنگ کی قیادت کرتے ہیں اس میں مسلمانوں کی شکست خارج از بحث ہوتی ہے، اللہ نے گویا فتح ان کے نام لکھ دی تھی، صحابہ کرام کی چہ میگوئیوں کا علم جب حضرت عمرؓ کو ہوا تو آپ نے پورے ملک میں مراسلہ بھیجا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

''میں نے خالدؓ کو کسی ناراضگی یا خیانت کی بنیاد پر معزول نہیں کیا۔ بات یہ ہے کہ لوگ ان کے بے حد گرویدہ ہو گئے تھے اس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ ان پر

Marfat.com

بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اس لئے خالد کو معزول کر کے میں لوگوں کو بتانا چاہتا تھا کہ فتح و شکست کا دار و مدار خالد بن ولیدؓ پر نہیں بلکہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے''۔

حضرت خالد بن ولید کو جب اپنی معزولی کی اطلاع ملی تو فطری سی بات ہے انہیں رنج پہنچا ہوگا انہوں نے جا کر بڑے دلگیر انداز میں اپنی بہن کو بتایا اور مشورہ مانگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ کی ہمشیرہ نے کہا ''میرے ماں جائے، اگر تو تم عمرؓ کے لئے لڑتے تھے تو پھر آرام سے گھر بیٹھ رہو کیوں کہ تمہاری بڑی توہین ہو چکی، اور اگر تم اللہ کی خوشنودی اور اسلام کی تقویت کے لئے لڑتے تھے تو تمہیں جب بھی موقع ملے اور جس حیثیت میں رکھا جائے اس سے گریز نہ کرو''۔

یہ بات سننی تھی کہ حضرت خالدؓ کے دل کا سارا میل اور غبار چشم زدن میں دھل گیا اور ایک نائب کمانڈر کی حیثیت سے آپ مصروف جہاد رہے۔

درد مندوں سے نہ پوچھ کہ کہاں بیٹھ گئے
اس کی محفل میں غنیمت ہے جہاں بیٹھ گئے

حضرت عمرؓ ہوں امیر المومنین کے طور پر اور حضرت خالدؓ ہوں سپہ سالار کے حوالے سے، ان دونوں کا طرز عمل خدا پرستی کا عمدہ نمونہ اور اعلیٰ مظہر ہے، نہ حضرت عمرؓ نے کسی ذاتی پرخاش اور جذبہ مسابقت کی بنا پر انہیں معزول کیا اور نہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسے اپنی انا اور توقیر کا مسئلہ بنایا، چونکہ دونوں کا جذبہ صادق اور نیت صاف تھی، اس لئے نہ شکایت پیدا ہوئی اور نہ بغاوت ابھری۔

چونکہ حضرت عمرؓ کے فیصلے کا محرک عقیدہ توحید تھا وہ لوگوں کی توجہ ایک بار پھر اسباب سے ہٹا کر مسبب الاسباب کی طرف لگانا چاہتے تھے اور حضرت خالدؓ کے فیصلے کی پشت پر داد و دہش اور افسری و کمان داری نہیں بلکہ خوشنودی خدا کارفرما تھی، اس لئے حضرت عمر کا خالدؓ کو معزول کرنا اور حضرت خالدؓ کا فیصلہ قبول کرنا تاریخ کی ایک روشن روایت اور اسلامی تہذیب کی ایمان افروز حکایت بن گئی، خدا پرست اور دنیا پرست معاشرے میں یہی جوہری فرق ہوتا ہے کہ ایک معاشرہ خدا کی بات کرتا ہے اور

Marfat.com

دوسرا اپنی انا کے لئے لڑتا ہے، اس لئے خدا والے اور انا والے بندوں کی نفسیات میں بڑا فاصلہ اور فرق ہوتا ہے، عشق، عرش گیر ہوتا ہے اور عقل فرش اسیر۔

OOOO

Marfat.com

قرآن حکیم

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا وہ مکالمہ ہے جو اس نے آخری بار بندوں سے فرمایا ایک امین فرشتے کے ذریعے ایک امین و صادق رسول پر اسے اتارا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی حزم و احتیاط کے ساتھ اسے لفظ وحرف سمیت امت کی طرف منتقل فرمایا، اور امت کے ہزاروں لاکھوں افراد نے اس کے متن کو حفظ کر کے قلم و قرطاس کے احتیاج سے بے نیاز کر دیا، اور قرآن کو کاغذی سفینوں سے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا، قرآن مجید کیا ہے؟ اور کن اوصاف و محاسن کا حامل ہے؟ اس کی وضاحت خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے جو باب مدینۃ العلم حضرت علیؓ کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو ایک زبردست فتنہ اٹھے گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بچنے کی کیا سبیل ہے؟ آپ نے فرمایا ''کتاب اللہ'' جس میں تم سے اگلوں کے واقعات ہیں اور تمہارے بعد کی خبریں اور حالات (یعنی مستقبل کی صورتحال کے بارے میں رہنمائی اور وقوع قیامت کی باتیں) اور تمہارے درمیان (فصل نزاعات کے لئے) ایک فیصلہ ہے، وہ قول فیصل ہے محض گپ شپ نہیں، جس نے ازرہ تکبر اسے چھوڑا یا اس سے منہ موڑا اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ دے گا، جو اس کے علاوہ کسی اور دستور العمل سے ہدایت ڈھونڈھے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا، وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، وہ دانائیوں سے معمور تذکرہ ہے، وہ سیدھا راستہ ہے، اس کی پیروی کے نتیجے میں خواہشات کبھی بے لگام نہیں ہوں گی، اسے بار بار پڑھنے سے کوئی اکتاہٹ نہیں ہوتی، اور اس کے عجائبات اور علمی لطائف کبھی ختم نہیں ہوں گے۔۔۔ جو اس کے حوالے سے بات کرے گا سچ بات کرے گا، جو

Marfat.com

اس پر عمل کرے گا بہترین اجر پائے گا، جس نے اس کے ذریعے فیصلہ کیا اس نے عادلانہ فیصلہ کیا، اور جو اس کے ذریعے خدا سے کچھ مانگے اس کو سیدھی راہ ملے گی۔

صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرآن مجید کا مزاج شناس اور اس کا رمز آشنا کون ہو سکتا ہے؟ آپ کے الفاظ میں یہ کتاب ماضی کی قوموں کے عروج و زوال کا آئینہ بھی ہے اور مستقبل کا نشان راہ بھی، جھگڑوں اور اختلافات کے لئے اس سے بہتر اور کوئی فیصلہ کن چیز نہیں اس لئے کہ یہ اس خدا کا کلام ہے جو رنج و راحت کی کیفیت سے پاک ہے اور فیصلہ وہی سچا اور بے لاگ ہوتا ہے جو رنج کے جذبات اور راحت کے احساسات سے ہٹ کر کیا جائے، قرآن حکیم قول فیصل ہے محض پند و موعظت کا مجموعہ نہیں اس نے جائز و ناجائز حلال و حرام، حق و باطل اور ظلم و عدل کے درمیان واضح حد بندی کی ہوئی ہے، اور حتمی لہجے میں یہ چیزیں بیان کرتا ہے، اور اپنے ہر قاری، سامع اور مبلغ کو بشمول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان احکام کا پابند کرتا ہے جو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے عالم انسانی کو عطا فرمائے ہیں، یہ ہدایت کا واضح دستور العمل ہے، اس سے ہٹ کر جو بھی ہدایت نامے اور دستاویزات ہیں وہ زیغ اور کجی سے محفوظ نہیں وہ انسانوں کے مرتب کردہ ہیں اور انسان بہر حال اپنے گردوپیش کو سامنے رکھ کر کوئی تجویز دیتا، مسائل کا حل ڈھونڈھتا اور راہ نکالتا ہے، جب کہ قرآن مجید اس خدا کا کلام ہے جس کے سامنے کائنات ایسے واضح اور ظاہر ہے جس طرح ہتھیلی پر لکیریں ہوتی ہیں وہ خدا نہ صرف کائنات کے علانیہ و خفیہ کا علم رکھتا اور انسان کی باطنی کیفیات کو جانتا ہے بلکہ وہ ان تمام اشیاء کا خالق ہے اس لئے اس کا ترتیب دادہ ہدایت نامہ کامل بھی ہے اور جامع بھی، قرآن حکیم احساس، خیال، زبان، اور عمل سب کا محافظ اور نگہبان ہے، جو شخص اس کی نگرانی اور رہنمائی میں سفر حیات طے کرتا ہے نہ اس کا احساس بھٹکتا ہے، نہ خیال الجھتا ہے نہ زبان لڑھکتی ہے اور نہ عمل مجروح ہوتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں جب بندے نے اپنے رب سے کہا ''ہمیں سیدھی راہ دکھا ان لوگوں کی راہ جو تیرے انعام یافتہ ہیں غضب کے سزاوار اور گمراہ لوگوں کی نہیں'' تو ایک سطری سوال اور دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن حکیم بندوں کو عطا کر دیا،

Marfat.com

کہ تمہیں سیدھی راہ کی تلاش ہے، سو میرا قرآن اس سیدھی راہ کی تفصیل ہے، اس میں انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ ہے اور یہ لوگ میرے انعام کے کیوں مستحق ٹھہرے وہ ساری وجوہات اس میں درج ہیں، جو لوگ غضب کے سزاوار بنے اور گمراہ ہوئے وہ کیوں اس طرح بنے؟ ان لوگوں کا بھی پوری جزئیات سمیت قرآن مجید میں ذکر ہے، سعادت کی جملہ راہیں اور شقاوت کے تمام اسباب بڑی وضاحت مگر جامعیت کے ساتھ اس میں مذکور ہیں، قرآن حکیم دراصل بندے کی دعا کا الہامی جواب ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اہل ایمان و تقویٰ کو ہدایت دیتا ہے، اس میں قرآن کا کوئی قصور نہیں اذہان کا معاملہ ہے، جیسے بارش گل ولالہ اور سبزہ و باغ اور بنجر زمین سبھی پر یکساں اترتی ہے مگر گل ولالہ کھل اٹھتے ہیں، سبزہ جاگ پڑتا ہے، باغ مہک جاتے ہیں اور بنجر زمین ویسی کی ویسی رہ جاتی ہے، ھدی للمتقین کا یہی مفہوم ہے، ورنہ تو قرآن پوری نوع انسانی کے لئے نازل ہوا اور صحیفہ ہدایت قرار پایا ہے۔

OOOO

Marfat.com

لقمان کی نصیحت

''لقمان حکیم'' کا نام شرق و غرب، دنیا کے طول و عرض اور شہر و دیہہ میں حکمت و دانش کا مترادف بن چکا ہے شاید ہی کوئی شخص ہو جو اس نام سے آگاہ نہ ہو، یہ لقمان کون تھے؟ ان کی شخصیت کا پوری طرح تعین ممکن نہیں، یہ پیغمبر تھے؟ بادشاہ تھے؟ فلسفی تھے؟ یا کوئی اہل اللہ؟ حتماً کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم ان کا ذکر جس انداز میں قرآن حکیم نے کیا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لقمان ایک بہت دانا اور صالح و سعادت مند شخص تھے، بعض تاریخوں میں انہیں سوڈان کا سیاہ فام غلام بتایا گیا ہے اور حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کی شخصیت بتایا گیا ہے کچھ روایات ان کے پیغمبر ہونے کی تصدیق کرتی ہیں تاہم امت کے اکثر معزین اور علماء نے انہیں پیغمبر نہیں کہا بلکہ محض ایک دانشور اور حکیم و معلم قرار دیا ہے قرآن حکیم کے اکیسویں پارے کی ایک سورۃ باقاعدہ انہی کے نام پر ہے۔ سورۃ لقمٰن۔ تاریخ میں ان سے جو اقوال منسوب ہیں اور قرآن مجید نے ان کی نصائح کا جس طرح بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکیم لقمان ایک راسخ العقیدہ موحد اور مسلمان تھے، کسی نہ کسی الہامی دین کے پیروکار تھے، اور آزاد خیال فلسفی نہیں بلکہ عقائد و اعمال اسلامی کے پابند اور متبع حکیم تھے، آپ کا اپنے بیٹے سے ایک نسبتاً مفصل خطاب قرآن مجید میں مذکور ہے اس کا لہجہ اور دروبست خالصتاً پیغمبرانہ ہے لیکن چونکہ واضح طور پر انہیں۔۔۔ نبی۔۔۔ نہیں کہا گیا اس لئے ان کا پیغمبر ماننا یا نہ ماننا ایک اضافی اور مبہم بات ہے، سورۃ لقمان میں ہے۔

''اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت و دانش عطا کی، اور یہ کہ تم اللہ کا شکر کرتے رہو اور جو کوئی شکر کرتا ہے اپنی ہی ذات کے لئے شکر کرتا ہے، اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے سو اللہ ان باتوں سے بہت بے نیاز ہے، اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے بیٹے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے، اور ہم

Marfat.com

نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے، کہ اس کی ماں نے زحمت پہ زحمت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں وہ دودھ چھوڑتا ہے (یعنی دو برس ماں نے اسے دودھ پلایا) کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، انجام کار میری طرف پلٹنا ہے اگر وہ دونوں (یعنی والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی اطاعت مت کر، تاہم دنیا میں ان سے حسن سلوک کرتا رہ اور میری طرف جانے والی راہ کی پیروی کر پھر تم سب کو میری طرف لوٹنا ہے جو کچھ تم کرتے رہے ہو میں تمہیں سب جتلا دوں گا، اے میرے بیٹے اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں، یا زمین میں پوشیدہ ہو اللہ اسے سامنے لے ہی آئے گا، بلاشبہ اللہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے اے میرے بیٹے نماز قائم کرو، اچھے کاموں کی نصیحت کرو، برے کاموں سے روکو، اور جو کچھ پیش آئے اسے صبر سے برداشت کرو، یہ بلاشبہ بڑی عزیمت کی بات ہے، اور لوگوں سے بے رخی نہ برت، اور زمین پر اکڑ کر مت چل، اللہ تعالیٰ کسی اکڑ باز اور شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا، اور اپنی چال میں میانہ روی اور متانت اختیار کر، اور اپنی آواز کو پست رکھ اس لئے کہ سب سے مکروہ آواز گدھے کی ہے"
(سورۃ لقمان ۔:12 تا 19)

حضرت لقمان کی یہ وصیت اگرچہ اپنے بیٹے اور یہ مخاطبت ایک فرد سے ہے لیکن تمام کی تمام باتیں ایسی ہیں جو ہر انسان کے لئے اچھا لائحہ عمل بن سکتی ہیں، انسان پر لازم ہے کہ وہ شرک سے بچے خواہ اس کے وہ ماں باپ اسے مجبور کریں جن کی خدمت اور شکر گزاری اس پر دینی و دینوی دونوں اعتبار سے لازم ہے پھر وہ اس باب میں والدین کا کہا ہرگز نہ مانے، یہ توحید کی اہمیت اور شرک کی مذمت کا بڑا بلیغ اظہار ہے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی رفتار اور گفتار دونوں میں توازن رکھے، رفتار سے ہولا اور گفتار سے بڑبولا محسوس نہ ہو، انسان کم حوصلہ نہیں بلکہ صاحب عزیمت بنے ورنہ زندگی بوجھ بن جائے گی، اور انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ تکبر اور شیخی سے بچے کیوں کہ یہ کم ظرفی کی علامت ہے اور اللہ کو کم ظرف لوگ نہیں بلکہ عالی مزاج لوگ پسند ہیں۔

OOOO

Marfat.com

اللہ کے بندے

کسی انسان کا اس سے بڑھ کر اور کوئی شرف نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ بن جائے اور خود کو اللہ کا بندہ سمجھے، قیصر و کسریٰ کہلانا، دارا و سکندر کا جانشین بن جانا، جمشید و فریدوں کے خاندان سے ہونا کیقباد و خسرو بن کر اترانا اور اونچا سے اونچا لقب اختیار کرنا ''بندہ خدا'' ہونے سے کم درجے کے نام و خطابات ہیں، جس طرح ایوان صدر کے ایک معمولی کلرک کو بھی کمشنر اور سیکرٹری خم ہو کر ملتے ہیں اس لئے کہ وہ عہدے میں کم سہی لیکن اس کی نسبت صدر سے ہوتی ہے اس طرح کسی انسان کی خدا کے ساتھ بندگی کی نسبت بھی اسے بڑا بنا دیتی ہے، خواہ وہ معمولی نسل رنگ اور پیشے کا کیوں نہ ہو، اور خوش نصیب بندے وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بھی واقعی اپنا بندہ قرار دیتا ہے اور وہ بندے بھی خدا کے قائم کردہ معیار بندگی پہ پورے اترتے ہیں محض دعوے نہیں بلکہ دلیل کے ساتھ۔

قرآن حکیم میں جا بجا اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول و مقرب بندوں کی علامات بیان کی ہیں، محسن، متقی، مومن، خاشع، قانت، ساجد، متوکل، متواضع اور عالم یہ سارے القاب و خطابات اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ہیں، سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جگہ اپنے خاص بندوں کی صفات بیان کی ہیں اور وہ صفات دینی و معاشرتی اور اخلاقی و تمدنی اعتبار سے بہت جامع ہیں، اور اگر کوئی شخص ان صفات کا پیکر بن جائے اور انہیں اپنی عادت و فطرت کا حصہ بنا لے تو وہ بلاشبہ ایک مثالی بندہ ایک مہذب انسان اور ایک سلجھا ہوا شخص کہلانے کا ہر طرح مستحق ٹھہرتا ہے اور آغاز کلام ہی ''عبادالرحمٰن'' سے ہوتا ہے یعنی اللہ کے بندے، ارشاد ربانی ہے

''اور اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی و فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے اکھڑ اور جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو یہ سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں اور جو

Marfat.com

راتوں کو اللہ کے حضور قیام وسجدہ میں لگے رہتے ہیں، اور جن کی زبانوں پر یہ دعا رہتی ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذاب جہنم کو دور رکھ، بے شک یہ عذاب مکمل تباہی ہے اور بلاشبہ جہنم برا ٹھکانا اور برا مسکن ہے اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ اس کے درمیان رہتے ہیں، اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک عبادت نہیں کرتے اور کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے، اور نہ بدکاری میں مبتلا ہوتے ہیں، اور جو کوئی ایسا کرلے گا یقیناً سزا سے ہمکنار ہوگا"

(سورۃ الفرقان۔:63 تا 68)

آگے چل کر مزید صفات و عادات کا اللہ تعالیٰ اس طرح ذکر فرماتا ہے اسی سورۃ الفرقان کی آیات 72 اور 73 میں ارشاد ہوتا ہے۔

"اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبھی بیہودہ اعمال واشغال میں دلچسپی نہیں لیتے، اور جب کبھی ان کا گزر ایسے لغو مشاغل پر ہوتا ہے تو نہایت متانت وشرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں، اور وہ لوگ ایسے ہیں جب انہیں آیات الٰہی کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو اندھے بہرے ہو کر ان پر گرتے (بلکہ پورے غور وخوض کے احکام الٰہی کو شعوری انداز میں اختیار و قبول کرتے ہیں)"۔

ان آیات میں اللہ کے بندوں کی صفات بڑی تصریح اور خوبصورتی کے ساتھ بیان ہوئی ہیں اور ایک مہذب متوازن، متین، صالح اور باشعور انسان کی تصویر کشی کرتی ہیں، یعنی ایسا انسان جو چال ڈھال میں بہت متواضع، گفتگو میں بہت شائستہ، عبادت الٰہی میں بہت مستعد اور یکسو، خرچ کرنے میں بہت میانہ رو، عقیدے میں بہت واضح اور موحد مزاج، معاشرت میں بہت مہذب اور دینی معاملات میں لکیر کا فقیر نہیں بلکہ بہت ہوش مند، اور غور وخوض کرنے والا ہے۔

ظاہر ہے یہی صفات ہیں جو انسان کی نجی واجتماعی زندگی میں حسن پیدا کرتی ہیں یہ صفات اگر عادت ثانیہ بن جائیں تو انسان بطور فرد بہت خوشگوار زندگی بسر کرتا ہے اور معاشرہ گہوارہ سلامتی بن جاتا ہے۔

○○○○

نبی اور فلسفی میں فرق

دنیا جب سے ہے مسائل بھی اسی دن سے ہیں اور ان کے حل کی سوچ بچار بھی پہلے روز سے ہے اس ضمن میں دو قدیم، مستقل اور برسرعمل مکتب فکر ہیں ایک کا خیال ہے کہ مسائل چوں کہ انسان کے ہیں اس لئے انہیں حل بھی انسان ہی کرسکتا ہے، اپنی عقل اور فکر سے، دوسرے کا نقطہ نظر ہے کہ اس دنیا اور اس میں بسنے والے انسان کا پیدا کرنے والا ان مسائل کا صحیح اور حقیقی حل پیش کرتا ہے، یعنی وحی کے ذریعے، گویا یہ بحث روز اول سے جاری اور یہ مشق چل رہی ہے کہ MAN MADE LAW ہونا چاہیے یا GOD MADE LAW، نبی خدائی قانون کی بات کرتا ہے اور فلسفی کا سارا انحصار اپنے علم وفکر اور اس سے اخذ اور پیدا ہونے والے نتائج پر رہتا ہے، نبی اور فلسفی کے منبع فکر اور سرچشمہ علم میں جوہری فرق یہ ہے کہ نبی براہ راست خالق کائنات سے ہدایت پاتا ہے ایسی ہدایت جو آفاقی اور ابدی ہے اور جو گردوپیش کے اثرات سے پاک اور بالا، تضادات سے معرا اور تجربات کی بجائے براہ راست خدائی علم پر مبنی ہے جب کہ فلسفی جو کچھ کہتا ہے وہ احوال وظروف زمانہ کی روشنی میں کہتا ہے، تجربات کے بعد ایک نتیجہ اخذ کرتا ہے امیال وعواطف کو پیش نظر رکھ کر مسائل کا جائزہ لیتا ہے اور میلانات ورجحانات سے اوپر ہونا اس کے لئے اس لئے ممکن نہیں کہ وہ انسان ہے اور انسان بہر حال بشری کمزوریوں کا مرکب، خوشی اور غمی کے احساسات کا اسیر، خون اور نسل کے رشتوں کا پابند اور محبت ونفرت کے جذبات سے لبریز، چنانچہ اس کا سرچشمہ علم وفکر تمام تر اخلاص وپاکیزگی کے باوجود اتنا صاف اور شفاف نہیں جس قدر وحی و الہام کا منبع منزہ اور پاک ہے، فکر ونظر کا یہ فرق بہر حال بہت بنیادی اور جوہری ہے اس لئے دونوں کی تعلیم کی تاثیر میں بھی فرق ملتا ہے، فلسفی دماغ کے کواڑ کھولتا ہے اور نبی روح کے تار

Marfat.com

چھیڑتا ہے، فلسفی بحث کی عادت ڈالتا اور نبی تسلیم کی خو پیدا کرتا ہے، فلسفی میں قیل وقال اور نبی عمل پر ابھارتا ہے، فلسفی کا آخری نتیجہ بھی ظنی ہوتا ہے جب کہ نبی کی پہلی بات ہی یقینی ہوتی ہے، اس سے تاثیر میں فرق لازمی طور پر آجاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بوعلی سینا کا ایک شاگرد تھا جو ہمہ وقت اس کے پاس رہتا تھا اور اپنے استاد سے بے حد متاثر تھا ظاہر ہے اپنے دور کے عظیم فلسفی، بے مثل طبیب اور شہرہ آفاق حکیم و دانا سے کون متاثر نہیں ہوگا، ''الشفاء اور القانون'' جیسی لازوال کتابوں کے مصنف شیخ الرئیس بوعلی سینا کوئی معمولی آدمی تو نہیں تھے کہ انسان ان سے سرسری گزر جائے وہ شاگرد ان کی عقیدت میں اس قدر غلو کر جاتا کہ انہیں انبیاء سے بڑھا جاتا اور شیخ لاحول ولاقوۃ پڑھ کر خاموش ہو جاتے اور اسے سمجھاتے کہ نبی بہر حال نبی ہوتا ہے خدا کا نمائندہ خواہ وہ کتابوں کا مصنف ہو یا نہ اور کسی بڑی درسگاہ کا فاضل ہو یا نہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس کی رسائی علم الٰہی تک ہوتی ہے اور وہ وحی والہام کی نعمت سے بہرہ ور ہوتا ہے مگر شاگرد کو یہ بات سمجھ میں نہ آتی اور وہ الفاظ وحروف کی شان و شکوہ کو سارا علم سمجھتا۔

سردیوں کی ایک رات میں شیخ بوعلی نے اسے تہجد کے وقت اٹھا کر وضو کے لئے پانی گرم کرنے کو کہا۔ شاگرد نے باہر جھانکا تو بارش ہو رہی تھی، کڑاکے کی سردی اور اس پر بارش مستزاد پانی کا جو قطرہ گرتا برف کی گولی بن جاتا، شاگرد نے کہا یا استاد! ذرا بارش تھم جائے تو پانی گرم کرتا ہوں، دو تین بار ایسا ہوا تو شیخ نے تنگ کر کہا بیٹا تہجد کا وقت نکلا جارہا ہے اور تم ٹال مٹول کر رہے ہو شاگرد نے بھی تنگ آ کر کہا حضرت! ایسی تہجد کو رہنے دیجیے جو مخلوق خدا کو زحمت دے کر پڑھی جائے، شیخ غصہ کھا کر رہ گئے، صبح صادق ہوئی اور قریب کی مسجد سے موذن کی آواز آئی اللہ اکبر اللہ اکبر، وہ بات جو شیخ بوعلی اپنے شاگرد کو باوجود کوشش کے نہ سمجھا پائے تھے، اور اس کا سوال عقیدت ہنوز تشنہ جواب چلا آرہا تھا تو آج شیخ بوعلی سینا کو وہ جواب مل گیا تھا انہوں نے اپنے انتہائی عقیدت مند شاگرد سے کہا ''بیٹا تم میرے علم سے، میری دانش سے اور میری حکمت سے اس قدر متاثر تھے کہ مجھے انبیا سے بڑھا دیتے تھے آج دیکھا کہ میں نے تمہیں پانی گرم کرنے کو کہا لیکن سردی اور بارش تعمیل حکم میں تمہارے لئے

Marfat.com

رکاوٹ بن گئی اس ملا کو دیکھو وہ بھی اسی سردی اور بارش میں اپنا مذہبی فریضہ ادا کرنے مسجد میں پہنچ گیا ہے، اب تمہیں یقین آ جانا چاہیے کہ فلسفی کی تعلیم دماغ تک رہ جاتی ہے اور نبی کی بات قلب و روح میں اتر جاتی ہے اور آمادہ عمل کر دیتی ہے''

OOOO

Marfat.com

حکمت پارے

حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی شخصیت تاریخ اسلام میں بہت سے حوالوں سے ممتاز، منفرد، نمایاں اور قابل فخر ہے۔ راستبازی جان نثاری، استقامت، ایثار، اور عمدہ اسلوب حکمرانی آپ کے خاص اوصاف ہیں، جن پر الگ الگ کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ان اوصاف میں سے ایک اور وصف بھی بہت نمایاں ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو معاملہ فہمی اور حکمت و دانش سے نوازا تھا جس کا اظہار بے شمار مواقع پر ہوا آپ کے اقدامات، فیصلے، خطوط اور خطبات اس وصف جمیل کی گواہی دیتے ہیں، آپ کے خطبات و خطوط کا مطالعہ کیا جائے تو جابجا حکمت و دانش کے انمول جواہر پارے ملتے ہیں جو بیک وقت، روحانیت، معاشرت، سیاست، حکومت اور آخرت کے بارے میں فکر کو روشنی اور دل کو پاکیزگی بخشتے ہیں، آیئے کچھ لمحے ہم سراپا صداقت و حکمت شخص کی محبت میں بسر کرتے ہیں، آپؓ فرماتے ہیں۔

- عقلمند کی پہچان کم گوئی ہے۔
- جس پر کوئی نصیحت اثر نہ کرے سمجھ لو اس کا دل ایمان سے خالی ہو چکا۔
- شریف جب علم پڑھتا ہے تو متواضع ہو جاتا ہے۔
- صبح خیزی میں مرغان سحر کا سبقت لے جانا تیرے لئے باعث شرم ہونا چاہیے۔
- جوان کا گناہ بھی برا ہے مگر بوڑھے کا گناہ بدتر ہے۔
- تو دنیا پانے میں سرگرم ہے جب کہ دنیا تجھے کھونے میں مشغول ہے۔
- ہر چیز کے اجر کا ایک اندازہ ہے مگر صبر و استقامت کا اجر بے حساب ہے۔
- دولت آرزو کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔
- دوائیں کھا کھا کر صحت مند نہیں بنا جا سکتا۔
- مردوں کا شرم کرنا بہتر ہے مگر عورتوں کا شرم کرنا بہترین ہے۔

Marfat.com

- زبان کو شکوہ وشکایت سے روکے رکھو، زندگی خوش گوار بن جائے گی۔
- اگر میرا ایک پاؤں جنت میں ہو اور دوسرا اس سے باہر تو بھی میں اپنے آپ کو خدا کے غضب سے محفوظ تصور نہیں کرتا۔
- حسن عمل میں اپنی رفتار تیز رکھو کیوں کہ تمہارے پیچھے ایک ایسا تعاقب کرنے والا (ملک الموت) لگا ہوا ہے جو بڑا ہی تیز رفتار ہے،
- اخلاص یہ ہے کہ کسی عمل کا معاوضہ نہ مانگو، دنیا کو آخرت کے لئے اور آخرت کو اللہ کے لئے چھوڑ دو،
- جو امر پیش آتا ہے وہ نزدیک ہے مگر موت اس سے بھی نزدیک تر۔
- ایک مومن کے لئے اتنا ہی علم کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔
- عمل بغیر علم کے سقیم (بیمار) اور علم بغیر عمل کے عقیم (بانجھ) ہے۔
- جاہ وعزت سے دور بھاگو، عزت تمہارا تعاقب کرے گی، اس کے پیچھے چلو گے تو وہ اور دور ہو جائے گی۔
- چھوٹا سا مسلمان بھی بڑے کافر سے اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔
- موت کے مقابلے میں دلیر رہو تمہیں زندگی بخش دی جائے گی۔
- میں نے بزرگی پرہیزگاری میں، بے نیازی یقین میں اور عزت تواضع میں دیکھی ہے۔
- جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے خدا اس کو ذلیل کر ڈالتا ہے۔
- اس دن پر ماتم کر جو بغیر نیکی کے گزر گیا۔
- جو شخص دعوت توحید کی ابتداء میں فوت ہو گیا وہ بہت خوش نصیب ہے کہ وہ آزمائش سے محفوظ رہا یہ گلشن حکمت صدیقؓ کے چند پھول اور معدن دانش صدیقؓ کے چند جواہر پارے ہیں انہی پھولوں سے گلستان ایمان میں بہار اور بزم یقین میں روشنی ہے، انسان پڑھنے کو جتنا چاہیے پڑھ لے مگر عمل کرنے کو اتنا ہی کافی ہے جس قدر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ہے۔

○○○○

حقیقت علم

علم اگر سوز دماغ بن کر رہ جائے تو وہ دماغ تک رہ جاتا ہے، اور اگر وہ ''سوز جگر'' بن جائے تو زندگی کا سراغ پالیتا ہے۔ علم الفاظ کی شعبدہ بازی کا نہیں درحقیقت یہ انسان سازی کا ذریعہ ہے اور یہی حقیقت علم اور یہی مصرف علم ہے۔ مولانا روم نے علم کو ''تن پر مارنے'' اور ''دل میں اتارنے'' کے فلسفہ کو اپنے شہرہ آفاق حکیمانہ اسلوب سے بہت خوبصورتی کے ساتھ واضح کیا ہے۔

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

یعنی علم اگر پرورش تن تک رہے تو وہ زہریلا سانپ بن جاتا ہے جو انسان میں خودنمائی اور تکبر ابھارتا ہے اور دوسروں کو پچھاڑنے کا آلہ اور حصول شہرت کا جھوٹا جذبہ بن جاتا ہے لیکن اگر اسے دل میں اتارا جائے تو وہ انسان کا سچا دوست بن جاتا ہے جو اسے صحیح مشورہ دیتا ہے، تمیز حق و باطل سکھاتا، اور خوبیوں کی راہ پر چلاتا ہے۔

علم کنز و قدوری جیسی کتابوں میں گم ہو جانا نہیں بلکہ راز زندگی پانا ہے ''ہدایہ'' پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ ''تقویٰ کی منزل پر پہنچنا خلاصہ علم ہے ایک حدیث کی روشنی میں علم ابن آدم کے لئے حجت بھی ہے اور ابن آدم پر حجت بھی ہے ''ابن آدم کے لئے حجت کا مطلب ہے کہ وہ اسے دلیل بناتا ہے حق کے لئے ہدایت کے لئے، سچ کے لئے، حسن عمل کے لئے اور نجات کے لئے اور ''ابن آدم پر حجت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس سے استفادہ نہ کیا جائے تو وہ خدا کی طرف سے انسان پر اتمام حجت ہوتا ہے جس کا بدیہی نتیجہ عذاب الٰہی اور خدائی گرفت ہے علامہ اقبال اپنے ایک لافانی شعر میں حضرت اسماعیلؑ کے ایثار کو مکتب کی کرامت نہیں بلکہ فیضان نظر قرار دیا ہے علم کے الفاظ ''مکتب'' کہلاتے ہیں اور فیضان نظر

Marfat.com

روح علم ہے جو انسان کو اپنی ذات، اپنے نفس اور اپنے مفادات سے بے نیاز کر کے بڑے مقصد کے لئے قربانی پر آمادہ کرتا ہے، گویا علم کے لئے عمل لازمی اور ناگریز ہے ورنہ عمل کے بغیر علم ایسا درخت ہے جو ہمیشہ بے ثمر رہتا ہے اقبال نے اس کے لئے ''نخیل بے رطب'' کی اصطلاح کی ہے، یعنی کھجور کا خشک درخت۔

ایک مرد حق آگاہ حضرت شیخ نظام الدین دہلوی نے اپنے ملفوظات میں اس بات کو بڑی عمدگی سے بیان فرمایا ہے، کہتے ہیں،

''شیخ ابوسعید ابوالخیر'' اور بوعلی سینا کی کچھ عرصہ مجلس و محفل رہی جب بوعلی سینا وہاں سے رخصت ہونے لگے تو حضرت شیخ کے قریبی ساتھی اور ہمدم سے کہا جب میں حضرت شیخ کے یہاں سے چلا جاؤں تو میرے بارے میں آپ سے پوچھنا کہ ان کی میرے بارے میں کیا رائے بنی ہے؟ اور آپ جو کچھ فرمائیں مجھے بلاکم وکاست لکھ بھیجنا تاکہ میں اپنی شخصیت کا جائزہ لے سکوں، چنانچہ ایک موقع پر اس صوفی نے حضرت شیخ سے بوعلی کے بارے میں پوچھ لیا، وہ کہنے لگے، شیخ نے فرمایا ''خیلے خوب است فیلسوف است'' یعنی بہت اچھا ہے فلسفی آدمی ہے لیکن اس سے صوفی کا اطمینان نہ ہوا اور اندازہ لگایا کہ شیخ ابوسعید دل کی بات نہیں کہہ رہے پھر موقع پا کر آپ کے خادم نے دوبارہ آپ سے بوعلی کے بارے میں رائے پوچھی، آپ نے فرمایا ''خیلے خوب است، فیلسوف است طبیب است اما مکارم اخلاق ندارد'' (بہت اچھا آدمی ہے، فلسفی اور طبیب ہے مگر اچھے اخلاق کا آدمی نہیں) یہ بات اس صوفی نے بوعلی سینا'' کو لکھ بھیجی، جب یہ خط انہیں ملا تو ایک گونہ تعجب اور تاسف ہوا چنانچہ بوعلی سینا نے ایک لمبا چوڑا وضاحتی خط حضرت شیخؒ کی خدمت میں بھیجا جس میں یہ بھی مذکور تھا کہ میں نے اخلاقیات پر اتنی کتابیں لکھی ہیں، اتنے لیکچر دیئے ہیں اور فلسفہ و اخلاق پر اس قدر تحقیق کی ہے پھر بھی آپ فرماتے ہیں کہ میں مکارم اخلاق کا حامل نہیں، جب یہ خط حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کو ملا محفل جمی ہوئی تھی۔ آپ نے وہ سارا خط پڑھ کر حاضرین کو سنایا اور فرمایا:

من نگفتہ ام کہ بوعلی مکارم اخلاق نداند و لے بگفتہ ام کہ او مکارم اخلاق ندارد

یعنی میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ کہ بوعلی ''اچھے اخلاق کا عالم نہیں ہے میں نے تو کہا تھا

Marfat.com

کہ وہ مکارم اخلاق کا عامل نہیں ہے"

یہ ہے حقیقت علم جسے ایک عارف حق نے بڑی حکمت کے ساتھ واضح فرمایا، مسئلہ حرف کا نہیں ہوتا اس کے صرف جامہ کا ہوتا ہے، سوال اچھے تلفظ کا نہیں لفظ کے تقدس کا ہے اور بات محض عالم کہلانے کی نہیں بلکہ عمل پہنانے کی ہے۔

OOOO

Marfat.com

ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو

شیخ جامیؒ فرماتے ہیں:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیں دولت از گفتار خیزد

حقیقت بھی یہی ہے کہ انسانی سیرت و کردار پر چہرہ اور لہجہ دونوں اثر انداز ہوتے ہیں، وہ بات تیر بن کر دل میں کھب جاتی ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلی ہو، گفتگو کو اگر حکمت آمیز، معانی سے لبریز، مٹھاس سے معمور، دل دردمند کی ترجمان اور حسن بیان سے بھرپور ہو تو ایک ایک حرف اپنا اثر چھوڑتا ہے صحابہ کرامؓ کی سیرت سازی میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں افروز کا اثر تھا وہاں آپ کے بیان فیض ترجمان کی تاثیر کا بھی اتنا ہی حصہ تھا، چھوٹی چھوٹی مگر حکمت و عظمت سے لبریز باتیں، تاثیر، کشش اور کیف میں رچے جملے اور معارف و حقائق کے خزانے اپنے دامن میں لئے ہوئے مختصر اقوال بلاشبہ صحابہ کرامؓ کی سیرتوں پر بے پناہ اثرات چھوڑتے تھے ان سے جہاں ایمان تازہ ہوتا وہاں عرفان کو بھی غذا ملتی ایک طرف اگر عقل کی گتھیاں سلجھ رہی ہوتیں تو دوسری جانب ذوق و وجدان کی پرورش بھی ہو رہی تھی، گفتار کی شیرینی اور بیان کی حلاوت کانوں میں اترتی محسوس ہوتی یہی رنگ ہمیں صوفیاء کرام کی محفلوں پر بھی غالب دکھائی دیتا ہے جب ہم ان کی مجالس و محافل کا احوال اور ان کے ملفوظات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی محفل و مجلس ایسا چمنستان نظر آتی ہے جس میں ہر گل اپنا رنگ اور اپنی مہک رکھتا ہے رنگ آنکھوں کو سرور بخشتا اور مہک مشام جان کو معطر کرتی ہے جب بزرگان دین کی محافل عروج پر پہنچتیں تو دلکش جملوں عزت آموز مثالوں اور دلچسپ حکایتوں کے ساتھ ساتھ زندگی کے عمیق ترین حقائق چٹکیوں میں حل ہوتے چلے جاتے، محفل پر کبھی جذب و کیف طاری ہوتا اور کبھی عقل و

Marfat.com

خرد کا رنگ کبھی ایمان وعرفان کی کیفیت غالب ہوتی اور کبھی ذوق ووجدان کی، کبھی جنت کی شادابیوں کا ذکر اور کبھی جہنم کی وادیوں کا تذکرہ، محفل میں رحمت حق کا ذکر آتا تو چہرے کھل اٹھتے، عذاب الٰہی کی بات چل نکلتی تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی احترام انسانیت کا موضوع چھڑتا تو موتی لٹتے تعلیم آدمیت کا مسئلہ آتا تو دریا بہتے، خدا کے عدل پر لب کشائی ہوتی تو چیخیں ابھرتیں، اس کے فضل پر زبان کھلتی تو باچھیں کھل جاتیں، غیرت فقر کا موضوع نوک زبان ہوتا تو بوریا نشینوں اور خرقہ پوشوں کے سر میں سکندر کا دماغ آجاتا، خدمت خلق کی بحث نطق آشنا ہوتی تو پندار وناموس کے آبگینے چھناکے سے ٹوٹ جاتے الغرض صوفیا کرام کی باتیں ایجاز واختصار کا بہترین مرقع ہوتیں، قطرے میں دریا اور ذرے میں صحرا کو انہوں نے سمو کر دکھایا، صوفیا کی مجالس ومحافل میں اپنی اور غیروں، امیروں اور غریبوں، شہریوں اور دیہاتیوں عالموں اور جاہلوں گوروں اور کالوں، نیکو کاروں اور گناہ گاروں کی یکجائی کا عجب سماں ہوتا نہ تنقید نہ تعریض، نہ طنز نہ استہزاء نہ مناظرانہ پن اور نہ دلآزاری۔ بات وہی کہی جو ہر دل کی تھی، نصیحت سے معمور اور عبرت سے بھرپور، صوفیا کرام کی مجالس گویا صحرا کے پاپیادہ مسافروں کے لئے گھنے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں ہوتی، اور عمر بھر کی تھکاوٹ دور ہو جاتی، ان کا انداز تربیت اور طریقہ اصلاح کیا تھا؟ اس کا اندازہ ان کے ملفوظات سے ہوتا ہے اور ان کے موضوعات علمی وفنی نہیں تبلیغی واصلاحی ہوتے تھے احترام انسانیت، توکل، توبہ، خوف خدا، اخلاص، ایثار، تقویٰ، محبت، خدمت خلق اور عجز ونیاز ان کے دل پسند اور مرغوب موضوعات تھے، چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں، دہلی میں خانزادہ چشت کے عظیم صوفی بزرگ حضرت نظام الدین دہلوی کی محفل آراستہ ہے اللہ والوں کے مزاج کی بات چھڑی تو آپ نے فرمایا۔

''ایک شخص بڑی محبت کے ساتھ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں تحفے کے طور پر چھری لے کر آیا آپ نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا تمہاری اس محبت پر شکر گزار ہوں مگر مجھے چھری نہ دو پھر کبھی آنا تو چھوٹی سی سوئی لیتے آنا کہ اللہ والے کاٹنے کا کام نہیں کرتے جوڑنے کا کام کرتے ہیں''۔

ایک بار شیخ بہاؤالدین نقشبندؒ کی مجلس سجی تھی علم وعمل کی یکجائی اور اس کا لازم وملزوم ہونا

Marfat.com

زیر بحث آیا آپ نے فرمایا۔

''تو شمع کی طرح بن اور شمع کی طرح نہ بن'' لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی اور انہوں نے وضاحت چاہی آپ نے فرمایا ''شمع کی طرح بن کا مطلب ہے کہ دوسروں کو روشنی پہنچاؤ اور شمع کی طرح نہ بننے کا معنی ہے کہ اس کی طرح خود روشنی سے محروم نہ رہو''۔

توکل کیا ہے؟ اور توکل کی روح کیا ہے؟ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے ایک بار ارشاد فرمایا۔

''ایک بار ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے اپنے کثیر العیال ہونے کی شکایت کی میں نے اس سے کہا ان افراد کو گھر سے نکال دو جن کا رزق اللہ کے ذمہ نہیں، تم صرف انہی کی کفالت کرو جن کی رزق رسانی تمہارے ذمے ہے، یہ سن کر اسے ساری بات سمجھ میں آ گئی اور چل دیا''۔

خرق عادت واقعات کے ظہور اور کرامات کے صدور کا خوش عقیدہ حلقوں میں بڑا چرچا رہتا ہے اور اسے معیار تقویٰ اور بزرگی سمجھا جاتا ہے مگر اس خیال کی بڑی یقین افروز وضاحت حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبند نے بہت ہی معنی خیز اور حسن کارانہ انداز میں فرمائی ہے بعض لوگوں نے آپ سے کرامت کے ظہور کی بات کی آپ نے فرمایا۔

''میری یہی کیا کم کرامت ہے کہ اتنے گناہوں کے باوجود میں زمین پر چل پھر رہا ہوں''۔

صوفیا کے ہاں ''خود بینی'' کے بجائے ''خود شکنی'' رویہ زیادہ نظر آتا ہے اور ''ہمچو ما دیگرے نیست'' کی جگہ ''ہیچ میرزی'' کا چلن عام ہے، خواجہ نظام الدین دہلویؒ کی ایک ایسی مجلس کا ایک گوشہ ملاحظہ ہو آپ نے فرمایا ''جسے دیکھو اور جس سے ملو اسے اپنے سے بہتر سمجھو اگر چہ تم اطاعت گزار ہو اور وہ گناہ گار ہو، ہوسکتا ہے یہ تمہاری آخری اطاعت ہو اور وہ اس کا آخری گناہ، تم اس کے بعد گناہ گار بن جاؤ اور وہ اطاعت شعار'' شعلہ و شبنم کی یکجائی اور آتش شوق اور باران اشک کی ہم آغوشی جیسی مجازی کیفیت کو شیخ ابوبکر شبلیؒ نے حقیقت کے انداز میں کیسے بیان فرمایا، ایک جملہ دیکھئے آپ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، قریب ہی گیلی لکڑیاں جل رہی تھیں ایک طرف آگ تھی اور دوسرے سرے سے پانی رس رہا تھا آپ کا ذہن فوراً اس طرف متوجہ ہوا اور فرمانے لگے۔

Marfat.com

''اگر یہ بات سچ ہے کہ تمہارے دل آتش عشق الٰہی میں جل رہے ہیں تو تمہاری آنکھوں میں آنسو رواں کیوں نہیں ہوتے''؟

لوگ نہ جانے عقل و دولت کسے کہتے ہیں؟ اس کی کیا علامات ہیں؟ اور اس کا مدار و معیار کیا ہے؟ اس باب میں شیخ ابو علی محمد بن عبدالوہابؒ کا نقطہ نظر بصیرت افروز بھی ہے اور نصیحت آموز بھی۔

اُف ہے دنیا کے کاموں پر جب وہ اُمڈ کر آ جائیں، اور اُف ہے دنیا کی حسرتوں پر جب وہ جاتی رہیں، عقل مند ایسی چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، کہ آئیں تو مشغولیت کا سبب بنیں اور جائیں تو حسرت دے کر جائیں''۔

''اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرو'' یہ حکم الٰہی ہے، کتنا خرچ کرو؟ اس کی وضاحت متعدد احادیث رسولؐ سے ملتی ہے اور احکام الٰہی تفصیل کے ساتھ درج ہیں، رہے صدقات نافلہ ان کی صرف ترغیب ملتی ہے حد اور شرح مقرر نہیں مگر اس اہم ترین مسئلے کو صوفیا کس نظر سے دیکھتے ہیں جس نے پوری دنیا کا سکون چاٹ رکھا ہے اور دماغ اڑا رکھا ہے، حضرت ابو بکر شبلیؒ کا انداز لائق توجہ ہے، آپ سے کسی نے پوچھا زکوٰۃ کب اور کتنی واجب ہے؟ آپ نے فرمایا مذہب فقہا کی رو سے پوچھ رہے ہو یا مذہب فقراء کے حوالے سے؟ سائل نے کہا دونوں طرح سے ارشاد فرمایئے، جواب دیا، فقہا کا مذہب یہ ہے کہ سال گزرنے پر 100 (سو) درہم میں سے ڈھائی درہم نکال دو، اور فقراء کا مشرب یہ ہے کہ جو کچھ مال و دولت ہو سال بھر کا انتظار کیے بغیر خدا کی راہ میں اور اس مخلوق خدا پر خرچ کر دو۔

انسانی فطرتاً مدنی الطبع ہے، مل جل کر رہتا، معاملات کرتا، اور کچھ لو اور کچھ دو کے انداز میں زندگی گزارتا ہے، اس کے کچھ فرائض ہیں اور کچھ حقوق۔ فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی برت جاتا ہے مگر حقوق طلب کرنے میں بہت مستعد اور ہوشیار ہے انسانوں کی بستی میں مفادات ٹکراتے بھی ہیں اور تحفظات آڑے بھی آتے ہیں، جھگڑے بھی اٹھتے ہیں اور فتنے بھی پیدا ہوتے ہیں، یہ ایک عمومی صورتحال ہے مگر صوفیا کرام اس بارے میں جداگانہ رویہ رکھتے اور انداز اپناتے ہیں، وہ زندگی کو تجارتی بنیادوں پر استوار نہیں کرتے اور نہ لو اور دو کے اصول اختیار کرتے ہیں بلکہ ان کے ہاں ایثار، مروت، اخوت، احسان، اور

Marfat.com

ترک وتوکل کا چلن زیادہ ہوتا ہے وہ ''بھلا کر بھلا ہوگا'' کو فقیرانہ صدا قرار دیتے ہیں جبکہ مومنانہ انداز ان کے ہاں ''سب کا بھلا'' خواہ کوئی بھلا کرے یا برا یہ بھلائی کا دامن کسی صورت نہیں چھوڑتے، دوستوں پر گلہ اور زمانے پر شکوہ ان کے نصاب زندگی میں شامل ہی نہیں اسی نظریے کو حضرت شیخ جنید بغدادیؒ اس طرح الفاظ کا قالب عطا کرتے ہیں، فرمایا۔

''کوئی شخص اس وقت تک عارف و کامل نہیں بن اور کہلا سکتا جب تک کہ وہ زمین کی طرح نہ ہو جائے کہ نیک و بد اس پر چلتے اور وہ ہر ایک کے سامنے بچھتی ہے، اور بادل کی طرح نہ بن جائے جو ہر جگہ سایہ کرتا ہے خواہ گلستان ہو یا صحراو بیابان، اور سورج کی طرح نہ بن جائے جو ہر ذرے کو روشن کرتا ہے اور شہر و دیہات میں امتیاز نہیں برتتا، اور بارش کی طرح نہ بن جائے جو ہر چیز پر برستی ہے پھولوں پر بھی اور کانٹوں پر بھی'' یہ چند جھلکیاں ایک خاص اسلوب حیات اور انداز فکر کو واضح کرتی ہیں، اور یہ اسلوب بہت حیات بخش اور یہ انداز بہت مثبت ہے، بشرطیکہ لوگ اسے محض ''ملفوظات'' نہ سمجھ لیں بلکہ زندگی کے ''معمولات'' بنا لیں، اگر ایسا ہو جائے تو انسان نے ہاتھ وہ فردوس گم گشتہ آ سکتی ہے جس کی تلاش میں صدیوں سے محو سفر اور بھٹک رہا ہے، ان باتوں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیا و اولیا صرف محیر العقول واقعات رونما نہیں کرتے اور نہ یہ ان کا بنیادی منصب ہے بلکہ وہ ایسا انداز حیات اپناتے ہیں جو ان کے لئے موجب عافیت اور دوسروں کے لئے ذریعہ منفعت ہے اور یہی اللہ والوں کا بہتر تعارف اور نمایاں تشخص ہے۔

OOOO

منشورِ انسانیت

''خطبہ حجۃ الوداع'' اسلامی تاریخ اور دینی اصطلاح میں بہت اہمیت کا حامل ہے، رسول اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے پہلے اور آخری حج کے موقع پر جو خطبہ ارشار فرمایا اسے ''خطبہ حجۃ الوداع'' کہا جاتا ہے، یہ خطبہ کوئی روائتی وعظ اور رسمی تقریر نہیں بلکہ صحیح معنوں میں ''منشور انسانیت'' ہے۔

صدیوں بعد سامنے آنے والا کنگ جان کا میگنا کارٹا، لیگ آف نیشنز کا دستور اساسی اور اقوام متحدہ کا چارٹر دراصل اسی خطبہ حجۃ الوداع کی صدائے بازگشت اور جدید ایڈیشن ہے، جو باتیں اس خطبے میں کہی گئیں وہ آج شاید بہت مقبول اور مروج باتیں سمجھی جائیں مگر اس ماحول اور اس دور کے تعصبات اور سماجی رویوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کا پہلا ڈیکلریشن، انسانی شرف کے تحفظ کا پہلا چارٹر نسلی ولسانی اور جغرافیائی وعلاقائی استحصال کے خاتمے کا پہلا منشور، اور عالمی برادری کی عمارت کی پہلی اینٹ ہے، آج سے پندرہ سو سال پہلے جب صرف نسل، زبان، رنگ اور علاقے کا سکہ رائج تھا، آقائی وغلامی کو باقاعدہ اخلاقی اور قانونی جواز حاصل تھا، دنیا عرب وعجم کی واضح تقسیم کی قائل تھی، قبائلی نظام اپنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ قائم تھا، عرب کسی باضابطہ دستور اور منظّم ومہذب ریاست کے تصور سے ناآشنا تھے، اور انسان جاہلی روایات کا قیدی اور پابند تھا ایسے ماحول میں یہ باتیں ایک پیغمبر ہی کرسکتا ہے جو ایسے خدا کا بھیجا ہوا ہو جو ذات برادری سے پاک ہو زبان اور وطن سے ماوراء ہو اور رنگ نسل سے بے نیاز ہو، اور وہ خدا اپنی مخلوق کو ان دائروں میں بانٹنے کی اجازت نہ دیتا ہو۔

اس حج کے موقع پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ فرزندان توحید حاضر تھے 9 ذی الحج کو حضور ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر میدان عرفات میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا جسے تاریخ نے ''خطبہ حجۃ

الوداع'' کا عنوان دیا، اور انسانی ذہن وضمیر نے اس خطبے کا بھرپور استقبال کیا، اس لئے کہ اس خطاب نبویؐ نے سوچ کے نئے دریچے کھولے، فکر کو نئے سانچے عطا کیے، فہم وبصیرت پر نئے اسرار منکشف ہوئے اور دنیا نئے ضابطوں اور اصولوں سے آشنا ہوئی، ورنہ اس سے پہلے ملوکیت تھی، غلامی تھی، جاہلی عصبیت تھی اور طاقت کی حکومت تھی، نہ حق نہ استحقاق نہ عدل اور نہ جواز!

آپؐ نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک وسہیم اور عدیل وہمسر نہیں اور اسی ذات نے اپنے رسول کے ساتھ کیا گیا وعدہ پورا فرمایا اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور باطل کو سرنگوں کر دیا، آپ نے فرمایا۔

''لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی اس طرح ہم ایک جگہ جمع ہو سکیں، سنو، انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے تخلیق کئے گئے اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے باطل، خون اور مال کے سب ناروا مطالبے اور انتقام کے سارے نعرے ہیں میرے پاؤں میں روندے جا چکے ہیں، البتہ بیت اللہ کی نگہبانی اور حاجیوں کو پانی پلانے (سقایتہ الحاج) کی ذمہ داری علیٰ حالہ رہے گی۔

پھر آپ نے بطور خاص قریش کو موضوع خطاب بنا کر فرمایا:

''اے اہل قریش، ایسا نہ ہو کہ اللہ کے حضور تم اس حال میں پیش کئے جاؤ کہ تمہاری گردنوں پر دنیا اور اسباب دنیا کا بار ہو اور دوسرے لوگ زاد آخرت لے کے حاضر ہوں اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے حضور تمہارے کسی کام نہ آ سکوں گا''۔

پھر فرمایا:

''لوگو ارشاد ربانی ہے، انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت کے جوڑے سے پیدا فرمایا اور تمہیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تا کہ تمہاری پہچان ہو ہاں تم میں اللہ کے نزدیک قابل تکریم صرف وہی ہے جس نے تقویٰ کو اپنا شعار بنایا چنانچہ نہ کسی عربی کو عجمی پر اور نہ عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل ہے نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل ہے ہاں فضیلت و برتری کا واحد معیار صرف تقویٰ ہے۔

اے قریشیو، اللہ نے تمہاری جھوٹی بڑائی اور نخوت جاہلیہ کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے

کارناموں پر فخر ومباہات کا اب کوئی سوال اور جواز نہیں رہا تمہارے خون، مال اور آبرو ایک دوسرے پر بالکل حرام کردی گئی ہیں، اب آئندہ کے لئے ان چیزوں کی حرمت واہمیت ایسی ہی ہے جیسے اس دن کی، اس حرمت والے مہینے (ذی الحجہ) کی اور خاص طور پر اس شہر میں ہے تم سب اللہ کے سامنے حاضر ہو گے اور وہ تم سب سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس فرمائے گا۔ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں کشت وخون کرنے لگو، اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ اس کے مالک کو واپس کرے۔

اے لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اپنے غلاموں کا خیال رکھو، انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، دور جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا، زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے دعوے کالعدم کرتا ہوں پہلا دعویٰ جسے میں منسوخ قرار دیتا ہوں ربیعہ بن حارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون ہے جو بنو ہذیل نے بہایا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں۔ زمانہ جاہلیت کا سود بھی آج سے کالعدم ہے پہلا سود جسے میں ختم کرنے کا اعلان کر رہا ہوں عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے۔

لوگو! خدا نے ہر ایک کا خود اس کو دے دیا ہے اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں، بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہیں، حساب وکتاب خدا کے ہاں ہوگا۔

جو کوئی نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنا آقا چھوڑ کر خود کو کسی اور سے منسوب کرے گا اس پر خدا کی لعنت، کسی کے لئے روا نہیں کہ اپنے بھائی سے اس کی رضامندی کے بغیر کچھ لے خود اپنے اوپر اور دوسروں پر زیادتی نہ کرو۔

عورت پر یہ جائز نہیں کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال کسی کو دے، قرض واجب الادا چیز ہے عاریۃً لی ہوئی چیز واپس ہوگی، تحفے کا بدلہ دیا جائے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے گا وہ تاوان دینے کا پابند ہے۔

سنو، تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں، اسی طرح ان پر بھی تمہارے کچھ

Marfat.com

حقوق ہیں عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں پسند نہیں وہ کوئی خیانت نہ کریں اور کھلی بے حیائی کی مرتکب نہ ہوں، اگر وہ ایسی کسی بات میں مبتلا ہوں تو تمہیں خدا کی جانب سے اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو، اور اگر وہ باز آ جائیں تو انہیں اچھی طرح خوراک اور لباس مہیا کرو، عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیوں کہ وہ تمہاری پابند ہیں چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا خوف اور لحاظ رکھو تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کی اجازت سے وہ تم پر حلال ہوئیں، لوگو، میری بات سمجھ لو میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔

سنو، میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اس سے وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے کتاب اللہ اور ہاں غور کرو، دینی معاملات میں غلو سے بچنا، کیوں کہ تم سے پہلے لوگ اسی باعث ہلاکت میں پڑے۔

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچوں وقت کی نماز ادا کرو، مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے اموال رضا و رغبت کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرو بیت اللہ کا حج ادا کرو، اپنے اہل امر کی اطاعت کرو اس طرح رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

شیطان اب اس بات سے بالکل مایوس ہو گیا ہے کہ اس شہر میں اب اس کی عبادت کی جائے گی، لیکن اس کا امکان اب بھی ہے کہ ایسے معاملات جنہیں تم نسبتاً کم اہم سمجھتے ہو ان میں اس کی بات مان لو اور وہ اس سے راضی ہے، اپنے دین و ایمان کی خوب حفاظت کرو۔

اب ہر مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہو گا اب نہ تو باپ کے بدلے بیٹا اور نہ بیٹے کے بدلے میں باپ پکڑا جائے گا۔

یہ خطبہ بظاہر مختصر لیکن انتہائی جامع ہے اس کا اسلوب اور لب و لہجہ محض خطیبانہ اور واعظانہ نہیں بلکہ اس کا انداز اصولی اور آئینی ہے اس میں مذہبی، شخصی، معاشی، عائلی، سیاسی، قانونی اور اخلاقی جملہ ہدایات موجود ہیں اور ایک ایک جملہ بجائے خود اصول اور قانون ہے توحید پر قائم رہنے، شرک سے بچنے، قتل ناحق سے گریز، سود کی حرمت، جاہلی انتقام کی مذمت حسب ونسب، ارکان اسلام کی پابندی اور عورتوں اور غلاموں کے شرف اور ان کے حقوق کی ضمانت جیسے تمام اہم تمدنی و معاشرتی معاملات آ گئے ہیں، شرک گزیدہ

Marfat.com

ماحول جاہلیت زدہ سوسائٹی اوہام وخرافات کے خوگر تمدن اور قبائلی رسم و رواج کی عادی تہذیب میں یہ سارے اقدامات انقلاب آفرین ہیں، آگے چل کر جو بھی تمدن میں ارتقاء آیا، اور مہذب شہری معاشرے اور حکومتیں وجود میں آئیں یہ سب اسی خطبہ حجۃ الوداع کا عکس اور ثمر ہیں اور اسی منشور انسانیت کی تفسیر وتشریح۔

OOOO

ضبط نفس

اس میں کیا شک ہے کہ ہر وہ شخص خواہ گھر میں ہو دفتر میں ہو یا محفل نشین ہو، ہر ایک کو بھلا لگتا ہے اور محبوب ہوتا ہے جسے اپنی طبیعت پر قابو ہو، ناگوار سے ناگوار بات اور حرکت برداشت کر سکتا ہو اور زبان کو بے لگام نہ ہونے دیتا ہو، وہ جذبات کا مرکب نہیں بلکہ راکب ہو، اس کے مقابلے میں جو بد مزاج، مغلوب الغضب، چڑچڑا، تنگ طبع، ترش رو اور بات بے بات آپے سے باہر ہو جانے والا ہو وہ خود بھی عذاب میں رہتا ہے اور دوسروں کو بھی مبتلائے اذیت رکھتا ہے اس لئے قرآن و حدیث میں بے شمار مقامات پر عفو و تحمل، نرمی و برداشت اور چشم پوشی و عالی ظرفی کو محاسن اور غصہ، اشتعال، انتقام، درشت گوئی اور تند خوئی کو مصائب کے زمرے میں بیان کیا گیا ہے۔

انسان کو اپنی زندگی میں بہت سے ناخوشگوار حالات سے سابقہ پڑتا ہے اور دوست دشمن اور منافق ہر طرح کے لوگوں سے سابقہ پیش آتا ہے، اگر ہر شخص ہر بات پر ردعمل ظاہر کرنا شروع کر دے اور منفی رویہ اپنا لے تو اس کی زندگی اجیرن ہو جائے، نیز انسانی سوسائٹی کسی ایک انداز اور ڈھب پر استوار نہیں ہوتی، جتنے انسان، اتنے رویے، ہر ایک سے الجھنا گویا خود کو مستقل الجھن میں ڈالنا ہے، دوسروں کی اصلاح تو نہ جانے ہو یا نہ ہو اس سے انسان خود ضرور بگڑ اور دوسروں کی نظروں سے گر جاتا ہے بڑا انسان بننے کے لئے بڑا ظرف اونچا مقام پانے کے لئے اونچا دماغ، وسیع حلقہ بنانے کے لئے وسعت مزاج اور بزرگی کے لئے بزرگانہ انداز ضروری ہوتا ہے۔

معاشرے میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ذرا سی اختلافی بات ہوئی نہیں کہ زبان کاٹ دار تلوار بن جاتی ہے، اور ذرا خلاف مزاج کچھ ہوا نہیں اور جذبات کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، اگر ہر انسان تحمل کو عادت بنا لے، عفو کو رویہ بنا لے، چشم پوشی کو فطرت ثانیہ بنا لے

Marfat.com

اور رواداری کو شعار بنالے تو دنیا آدھے جرائم سے پاک ہو جائے، اگر کوئی اس تحقیق میں لگ جائے اور جیل کے قیدیوں کے انٹرویو کرے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے قیدی صرف اس لئے جیل تک پہنچے کہ ذرا سی بات بڑھ کر لڑائی تک پہنچی اور دیوار زنداں تک نوبت چلی گئی، گھریلو زندگی میں بھی بہت سی ناچاقی کا سبب یہی مشتعل مزاجی اور ضبط نفس کی کمی ہے، روٹی کا کنارا جل گیا، روٹی ٹھنڈی ہوگئی، نمک زیادہ پڑ گیا، چائے پھیکی رہ گئی، اور سالن ہاتھ سے چھوٹ گیا وغیرہ بس اسی بات پر مزاج برہم طبیعت مشتعل اور اعصاب جواب دے جاتے ہیں اور زبان بے قابو ہو جاتی ہے اور گھر میں کئی دن تک فضا کشیدہ رہتی ہے حضرت زین العابدینؒ نے اپنے ملازم سے ایک بار گرم پانی لانے کو کہا وہ گرم پانی کا برتن لے کر آیا اس کا پاؤں الجھا اور کھولتا ہوا پانی آپ کے ہاتھ پاؤں پر جا گرا اور آپ اذیت سے دوچار ہوئے آپ نے غضب آلودہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا قریب تھا کہ آپ زبان سے کچھ کہتے وہ ملازم فوراً بول اٹھا ''والکاظمین الغیظ'' (اللہ کے محبوب بندے غصہ پینے والے ہوتے ہیں) آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے وہ پھر بولا ''والعافین عن الناس'' (وہ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں) آپ نے فرمایا ''میں نے تمہیں صدق دل سے معاف کیا'' اس نے پھر کہا ''واللہ یحب المحسنین'' (اللہ احسان کرنے والوں کو بہت عزیز رکھتا ہے) آپ نے فرمایا ''جا میں نے تجھے آزاد کیا''

یہ ضبط نفس کا مظاہرہ اس شخص کے لئے قبول اسلام کا ذریعہ بن گیا، ہر اشتعال انگیز بات یا حرکت پر مشتعل ہونا بات کو بڑھا دیتا اور ضبط نفس جلتی آگ پر پانی کا کام دیتا ہے اگر ہر شخص ردعمل کا شکار ہو جائے تو ردعمل کی نفسیات پوری سوسائٹی کو جہنم میں بدل دیتی ہے، انسان صرف اتنا سوچ لے کہ اللہ تعالیٰ جو قدیر و قہار اور مالک و مختار ہے وہ تمام تر قدرت و اختیار کے باوجود انسانوں کی لاکھوں غلطیوں سے صرف نظر فرماتا ہے اگر وہ ہر بات کی گرفت کرنے پر آجائے تو شاید ہی کوئی ذی روح باقی بچے، ہر انسان ہے کہ محدود و مجبور ہونے کے باوجود ہر عمل پر اپنا ردعمل ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہے یہ کم ظرفی بھی ہے اور کوتاہ نظری بھی۔

OOOO

Marfat.com

رونا چھوڑو جینا سیکھو

دکھ سکھ انسانی زندگی کا لازمہ اور خاصہ ہیں، بھلا کون سا انسان ہے جو پیدا تو ہوا ہو اور اس پر موت طاری نہ ہو، جوان تو ہو اور بوڑھا نہ ہو، صحتمند ہو اور بیمار نہ ہو، یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے اور اسی کا نام زندگی ہے، اسی طرح بہت سکھی لوگ بھی کبھی کبھار دکھی ہو جاتے ہیں، یہ بھی اسی کائنات اور حیات کا حصہ ہے، لیکن جو شخص پیدا ہوتے ہی موت کا سامان کرنے لگے اس کے لئے زندگی بوجھ بن جاتی ہے جو جوانی کے ساتھ ہی بڑھاپا آنے کا غم اپنے اوپر طاری کر لے وہ جوانی کے لطف سے محروم ہی رہے گا جسے صحت کے ساتھ بیماری کا وہم چپکا رہے وہ اچھی بھلی صحت برباد کر دے گا، اس لئے ضروری ہے کہ حقائق فطرت، گردش لیل و نہار اور قوانین قدرت پیش نظر تو رہیں لیکن مایوسی اور ناامیدی کو زندگی میں داخل نہ ہونے دیا جائے تا کہ آدمی کفران نعمت کا مرتکب نہ ہو، موت برحق ہے لیکن زندگی بھی تو اللہ کی بہت بڑی نعمت اور مسلمہ حقیقت ہے، بڑھاپا ایک ناگزیر مرحلہ ہے لیکن جوانی بھی تو اسی طرح کا ایک مرحلہ ہے اسے ضائع کرنا کون سی دانش مندی ہے، بیماری بلاشبہ ایک آفت ہے لیکن صحت کتنی بڑی الٰہی عنایت ہے اس پر انسان کو مسرور اور شکر گزار ہونا چاہیے، دکھ اگر زندگی میں لکھے ہیں تو ضرور پیش آئیں گے لیکن اس سے پہلے سکھ کو خود ہی دکھ میں بدل دینا اور اپنے اوپر مایوسی کی چادر تان لینا ناشکری بھی ہے اور بے حوصلگی بھی، اسلام اپنے پیروکاروں کو حوصلہ مند دیکھنا چاہتا ہے مایوس و نامراد نہیں۔ بات صرف اتنی ہے زندگی جوانی اور صحت کا صحیح مصرف سامنے رہے تا کہ ان نعمتوں کا شکر ادا ہوتا رہے، اس لئے اسلام نے کسی بھی غم اور دکھ سے گھبرا کر موت کی آرزو کو ناجائز اور ہجوم کشمکش سے اکتا کر خودکشی کو حرام قرار دیا ہے، اگر ہر شخص رونا شروع کر دے تو جینا کون سیکھے گا؟ دوسروں کو جیتا دیکھ کر خود مرنے کی آرزو کرنا کون سی دانشمندی ہے؟ دوسروں کو مالدار دیکھ کر اپنی غربت پر رونا اور دوسروں کو

Marfat.com

بد دعا دینا کہاں کی مردانگی ہے؟ اور دوسروں کو صحت مند دیکھ کر اپنی بیماری کے باعث خود کو ہلاکت میں ڈال دینا کیسی دانشوری ہے؟ بلکہ دنیا کے یہ تضادات تو انسان کو کچھ کرنے، آگے بڑھنے، کامیاب ہونے اور جینے پر ابھارنے والے ہیں۔

اسی کا نام سعی و کاوش، محنت و ریاضت اور جد و جہد ہے، اور یہی چیز روز بروز دنیا کو نئے آفاق، نئی جہتوں اور نئے زاویوں سے آشنا کر رہی ہے ورنہ زندگی اور اس کا سارا کاروبار ایک جگہ منجمد ہو جاتا اور انسانی اعصاب ٹھٹھر کر رہ جاتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

''کوئی شخص یوں تمنا نہ کرے کہ اے کاش فلاں شخص کا مال یا اس کی اولاد میرے ہوتے۔ اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے ہاں وہ اللہ سے اس کا فضل مانگ سکتا ہے''۔

اسی طرح رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اگر تم میں سے کسی کو کوئی دکھ، ضرر اور تکلیف پہنچے تو اس کی وجہ سے اسے موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیے، ہاں اگر کچھ کہنا ضروری سمجھے تو صرف یہ کہے اے اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میرے لئے خیر ہو اور جب موت میں میرے لئے سعادت اور بھلائی ہو تو وہ عطا کر دے۔''

انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں یا وہ نیکوکار ہے یا گناہ گار، زندگی اس کے لئے دونوں حوالوں سے نعمت ہے اگر نیک ہے تو اس کی نیکیاں بڑھیں گی اور اگر خطا کار ہے تو زندگی اس کے لئے توبہ کا امکان باقی رکھے گی، اور موت سے یہ امکان منقطع ہو جاتا ہے۔

رونے دھونے، شکایت کرنے، دوسروں کی بدخواہی اور مایوسی اور ناامیدی سے آج تک کوئی مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آیا الٹا اس تکلیف اور اذیت کی شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور وہ بہت مہلک ہوتا ہے۔

○○○○

دعوت فکر

اتحاد امت کیوں؟

- چونکہ ہمارا خدا، رسول، کلمہ، قرآن اور قبلہ ایک ہے اس لئے امت کو بھی ایک ہونا چاہیے۔
- ہمارا سب سے بڑا اعزاز ''ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ'' ہے اس لئے یہ اعزاز برقرار رکھنا ضروری ہے۔
- چونکہ صدر اسلام میں فرقے نہیں تھے بلکہ ایک امت تھی اس لئے اب فرقوں کا کوئی شرعی اور اخلاقی جواز نہیں۔
- فرقہ بندی کے باعث ہماری مرکزیت مجروح بلکہ برباد ہوئی ہے، اسی مرکزیت کی بحالی ہمارا اولین ہدف اور فریضہ ہونا چاہیے۔
- عالمی نظام کفر و جبر کی روز افزوں سازشیں اور پھیلتی ہوئی بے خدا سرحدیں تقاضا کرتی ہیں کہ اہل اسلام امت واحدہ بن کر ان حملوں اور یورشوں کا مقابلہ کریں۔
- ہم ماضی میں صرف مسلمان تھے اور دنیا کے امام بنے، جب ہم میں ''اسلامیت'' کی جگہ ''فرقہ واریت'' آئی تو دنیا میں پسماندہ قوم کہلائے اب مستقبل کی تعمیر کا مرحلہ ہے تو ہمیں پھر سے ایک امت بن جانا چاہیے۔
- خدا نے ہمیں ''امت وسطیٰ'' کا وقار لقب دیا، رسولؐ نے ایک ''امت مسلمہ'' تشکیل دی اور دنیائے کفر بھی ہمیں ''امہ'' ہونے کے ''جرم'' میں لائق تعزیر سمجھتی ہے اس لئے ہمیں ''امہ'' کے لقب سے دستبردار ہو کر سنی شیعہ اور مقلد غیر مقلد نہیں کہلانا چاہیے۔

فرقہ بندی کیوں نہیں؟

- فرقہ بندی کا قرآن و حدیث میں کہیں جواز نہیں بلکہ اس کی مذمت آئی ہے اس

Marfat.com

لئے ہمیں فرقوں میں الجھ کر خدا اور رسولؐ کی ناخوشی کا ہدف نہیں بننا چاہیے۔

● خدا تعالیٰ کی یہ تنبیہ ہمیں جھنجھوڑنے اور فرقہ بندی چھوڑنے کے لئے کافی ہے کہ ''جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ بن گئے (اے رسولؐ) تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں (الانعام:159)

● نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کے تحت سنی شیعہ اور بریلوی دیوبندی اور اہلحدیث نہیں بلکہ امت مسلمہ تشکیل دی تھی، اس لئے فرقہ بندی تصورامت کی نفی ہے۔

● فرقہ بندی نے ملوکیت کی کوکھ سے جنم لیا، انگریزی استعمار نے اسے دودھ پلایا، اور ہماری ذہنی پسماندگی نادانی و جہالت اور کم نظری و عصبیت نے اسے پال پوس کر جوان کیا، اس لحاظ سے یہ کوئی قابل فخر ورثہ نہیں۔

● فرقہ بندی نے تاریخ کے ہر موڑ پر اسلام کو بدنام اور اہل اسلام کو رسوا کیا، کیا یہ ناخوشگوار تجربہ پھر دہرانے کے قابل ہے؟ حالانکہ مومن تو اک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔

● قوم پہلے ہی لسانی، قومیتی، علاقائی اور نسلی تعصبات کا شکار ہے مذہبی فرقہ بندی اونٹ کی کمر پر آخری تنکا بن سکتی ہے جس سے گریز اور پرہیز لازم ہے۔

● کیا قیامت کے روز دیگر اور سابقہ امتوں کے مقابلے میں سنی شیعہ اور بریلوی دیوبندی کے طور پر ہمیں مخاطب کیا جائے گا یا امت مسلمہ اور مسلمان کے طور پر پکارا جائے گا؟

اتحاد امت کیسے؟

اتحاد امت سرکاری سرپرستی، حکومتی سائے، اور فرقہ وارانہ تشریحات کی روشنی میں ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ

● ہر فرقہ اپنی تاریخ اور فقہ کو قرآن وحدیث کا درجہ نہ دے اور بات اسلام کی بنیادی اور جوہری تعلیمات تک رکھے۔

● ہر شخص اسلام کے اعلیٰ اور ارفع نصب العین کو پیش نظر رکھ کر امت کے وسیع تر مفاد کا تحفظ کرے۔

● فروعی مسائل کے بجائے اخلاقی اور معاشرتی مسائل کو اپنا موضوع تقریر وتحریر

Marfat.com

بنائے۔

● اپنی ذات، مالی مفادات، گروہی تعصّبات اور شخصی تحفظات سے اوپر اٹھنا ہی اتحاد امت کی خشت اول ہے سخن سازی نہیں بلکہ اپنے ضمیر سے فتویٰ لے کر ہر ایک کو وحدت امت اور فرقہ واریت کے نفع ونقصان کا میزانیہ تیار کر کے فیصلہ کرنا ہوگا۔

OOOO

Marfat.com

اعتراف حقیقت

حق اور حقیقت اگر چہ دونوں صداقتیں ہیں، سورج سے زیادہ روشن اور پہاڑ سے زیادہ محکم، سعید اور روشن ضمیر وہی شخص ہے جو حق اور حقیقت دونوں کا اعتراف واقرار کرے۔

جہالت اور جاہلیت دو معروف اصطلاحیں ہیں، البتہ ان دونوں میں بڑا باریک اور لطیف فرق ہے، کسی چیز کو نہ جاننا جہالت ہے اور جان کر نہ ماننا جاہلیت ہے جہالت عیب تو ہے شاید جرم نہ ہو اس لئے قابل معافی اور لائق چشم پوشی ہے مگر جاہلیت ایک کھلا جرم اور سخت قابل گرفت ہے، خدا کی وحدانیت رسول کریم ﷺ کی سیرت، قرآن مجید کی صداقت اور اسلام کی حقانیت حق بھی ہیں اور حقیقت بھی، اس لئے ان کا اقرار واعتراف ہر وہ شخص کرتا ہے اور اسے کرنا چاہیے جسے اللہ نے فطرت سعید، قلب سلیم، یقین کامل اور جذبہ صادق سے نوازا ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بعض ایسے اصحاب فکر اور ارباب نظر پائے جاتے ہیں جو حقیقت کے اعتراف میں تو بخل نہیں کرتے تاہم اعتراف حق میں وہ عمر بھر تجاہل بلکہ تغافل کا شکار رہتے ہیں اور اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہ جاتے ہیں نہ جانے اس تامل اور تذبذب کی واحد وجہ یا متعدد اسباب کیا ہیں مگر یہ طے ہے کہ یہ توفیق خیر سے محرومی کا نتیجہ ہے ورنہ حق اور حقیقت تصویر کے دو رخ ہیں، اور دونوں کے درمیان قدموں کا نہیں سانسوں کا فاصلہ ہے جو حقیقت کو پالے اسے حق کو اپنانے میں اصولاً دیر نہیں لگنی چاہیے، لیکن پھر بھی غنیمت ہے کوئی حق تک نہیں کم از کم حقیقت تک تو پہنچا ہے مغرب کے بہت سے عالم، دانشور، فلاسفر اور مفکر اعتراف حقیقت میں تو بڑے واضح رہے مگر رسائی حق سے دور رہے، لیمرٹین (LAMAR TINE) ''تاریخ ادب'' میں رقمطراز ہے ''بہت بڑا مفکر'' بلند پایہ خطیب، خطیب مقنن، سپہ سالار تصورات ومختصرات کا فاتح، اس نظام کا بانی جس میں باطل خدا ذہنوں تک کی دنیا میں داخل نہیں ہوسکیں، دنیاوی سلطنتوں کے اوپر ایک آسمانی بادشاہت کا بانی یہ ہے محمد (ﷺ) ان تمام معیاروں اور پیمانوں کو لے آؤ جن سے انسانی

عظمت کو ناپا جاتا ہے اس کے بعد اس سوال کا جواب دو کہ کیا دنیا میں اس (محمد) سے بڑا بھی کوئی ہوا ہے" روسی دانشور اور مزدور لیڈر ٹالسٹائی قرآن مجید کے بارے میں کہتا ہے۔

"قرآن مجید مسلمانوں کی کتاب سہی، مگر اس میں تہذیب، شائستگی، تمدن اور حسن معاشرت ہے اگر دنیا میں صرف یہی کتاب ہوتی اور دوسرا کوئی مصلح پیدا نہ ہوتا، تب بھی یہ کتاب انسانیت کی فلاح کے لئے کافی تھی"

جرمن شاعر گوئٹے (GOETTE) اسلام کے بارے میں اپنا تاثر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"اگر دین اسلام وہی ہے جو قرآن میں ہے تو ہر معقول آدمی مسلمان ہے"۔

متذکرہ صدر حوالے محض ایک ایک نمونہ ہیں ورنہ بے شمار لوگ اور بے شمار کتابیں اس اعتراف حقیقت کے باب میں بطور گواہ اور ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں، بہت سے متشرقین اسلامی عقیدہ و تہذیب کے مخالف ہونے کے باوجود اور اعتراف حق سے گریز کے باوصف یہ حقیقت تسلیم کرتے نظر آتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ جیسا کامل رہبر، قرآن مجید جیسی معجز آفرین کتاب اور اسلام جیسا جامع اور فطرت کے قریب نظام حیات کوئی اور نہیں، کارلائل، رابرٹ بریفالٹ، منٹگمری، لارنس براؤن، ہربرٹ سپنسر، آئزک ٹیلر، ایڈورڈ گبن، جارج سیل، ڈاکٹر جانسن، ڈاکٹر آرنلڈ، ڈاکٹر رابرٹس، والٹیر، مارگولیتھ، باسورتھ اسمتھ، اور جان ڈیون پورٹ ایسے بے شمار نام لکھے اور گنوائے جا سکتے ہیں، جن کی کتابیں، مقالے، مضامین اور تاثرات ہر زبان اور ملک میں دستیاب ہیں اور اہل علم ان سے بخوبی آگاہ و آشنا ہیں۔

جو لوگ اتنے کھلے الفاظ میں اعتراف حقیقت کرتے ہیں بادی النظر ہیں انہیں اعتراف حق میں چنداں تامل تو نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ وہ بہر حال محمد (ﷺ) کو بطور رسول قرآن مجید کو الہامی کتاب اور اسلام کو ربانی ضابطہ حیات تسلیم کرنے سے قاصر رہے، اگر یہ لوگ جرات کر کے حقیقت سے حق کے قبول کا مرحلہ طے کر لیتے تو عالم انسانی کے لئے بہت بڑا تحفہ اور خود ان کے لئے الٰہی عطیہ ہوتا اور یوں مشرق و مغرب میں حائل فاصلے اور پردے مٹ اور اٹھ جاتے، آج بھی دانش مغرب ایسا کر لے تو تاریخ نیا اور خوشگوار سفر شروع کر سکتی ہے۔

OOOO

Marfat.com

داستان عزیمت

آج اگر روئے زمین پر چلنے والا ہر پانچواں انسان مسلمان ہے، اگر پچاس سے زائد مسلم ممالک ہیں، اور اگر پانچوں براعظم لا الہ الا اللہ سے آشنا، تسبیح وتہلیل سے معمور، اذان و مسجد کے آباد اور سجود وقیام سے مانوس اور بوئے اسلام سے معطر ہیں تو نتیجہ ہے اس محنت کا جو اسلام کے اولین علمبرداروں نے کی، یہ ثمر ہے اس استقامت کا جو صحابہ کرام نے دکھائی اور حاصل ہے اس عزیمت کا جو مکی عہد آشوب میں فداکاروں نے ظاہر کیا، اول اول جن لوگوں نے اسلام قبول کیا انہوں نے خود کو بہت بڑے امتحان میں ڈالا، شہر مکہ کا کوئی چوک ایسا نہ تھا جو ان کے لئے پھانسی گھاٹ نہ ہو، کوئی کوچہ ایسا نہ تھا جو مقتل نہ بنا ہو کوئی بازار ایسا نہ تھا جو عقوبت خانہ ثابت نہ ہوا ہو اور کوئی گھر ایسا نہ تھا جو ان کے لئے مرکز تعذیب وتعزیر نہ ہو، یہ وہ عاشقان پاک طینت تھے جنہوں نے خاک وخون میں لوٹ کر رسم عزیمت و وفا قائم کی، پلکوں سے کانٹے چن کر آسودگیوں کے لئے راہ ہموار کی اور خون سے کشت اسلام سینچ کر مستقبل کو بہار بداماں کر دیا اولین عہد اسلام میں شاید کوئی اہل ایمان ہو جس کی پیٹھ پر کوڑے نہ پڑے ہوں اور جس کے پاؤں میں آبلے نہ پھوٹے ہوں لیکن راہ حق کے کسی راہی کا نہ حوصلہ ٹوٹا، نہ جذبہ گھٹا، نہ ولولہ سرد ہوا اور نہ عقیدہ ڈولا۔

حضرت بلالؓ کو ان کے آقا امیہ بن خلف نے تپتی ریت پر پیٹھ کے بل عین کڑکتی دھوپ میں لٹا دیا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جس سے ان کی زبان باہر نکل آئی، چوک میں کھڑا کر کے ان کی پیٹھ پر کوڑے برسائے گئے مگر یہ قدم قدم بلا ان کے عزم و وفا کو نہ خرید سکی۔

بنی مخزوم نے حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو ٹکٹکی پر باندھ کر کوڑے مارے ان کی چیخیں مکے کے درو دیوار ہلا گئیں مگر اہل کفر کے کلیجے نہ پسیج پائے اس کے باوجود ان کا ایمانی رشتہ نہ ٹوٹا تھا

Marfat.com

اور نہ ٹوٹا، حضرت مصعب بن عمیرؓ مکے کے بڑے خوش پوش جامہ زیب، خوبرو اور عطریات کے شوقین نوجوان تھے، ان کے لباس اور ذوق خوشبو کا پورے علاقے میں چرچا تھا، عثمان بن طلحہ نے آپ کو قید کر دیا ہجرت حبشہ تک آپ پابند سلاسل رہے اور سخت عسرت میں وقت گزارا مگر اس نفیس اور نازک شخص نے ہر سختی اور آزمائش کا پورے حوصلے سے مقابلہ کیا، اور خدا اور رسول کے عہد پر قائم رہے حضرت عثمان بن مظعونؓ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں تھے آپ نے ایک مشرک کی پناہ میں رہنے سے انکار کر دیا اس نے طمانچہ مار کر آپ کی ایک آنکھ نکال دی، آپ نے فرمایا کاش دوسری آنکھ بھی نکل جائے میں اس کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں جو سب سے قوی اور عزیز ہے یعنی میرا رب! حضرت عثمان بن عفانؓ مکے کے متمول اور معزز فرد تھے مگر آپ بھی اس روش ستم سے محفوظ رہے آپ کے چچا حکم بن العاص نے آپ کو رسی سے باندھ کر اذیتیں پہنچائی اور رسوا کرنے کا اہتمام کیا، آپ نے اپنی شخصی عزت اسلامی عظمت وغیرت پر قربان کر دی۔

حضرت خباب بن الارتؓ کو جلتے انگاروں پر لٹایا گیا اور جسم سے نکلنے والے چربی کے وہ انگارے بجھے مگر کیا مجال کہ اس عاشق صادق کے لب پر کلمہ شکایت آیا ہو۔

حضرت عبد اللہؓ کو کپڑے اتار کر گھر سے نکال دیا گیا، اور بمشکل ان کی والدہ نے انہیں ایک ٹاٹ میں لپیٹا لیکن وہ بھی گھر ٹھہرانے پر آمادہ نہ ہوئیں اور وہ اسی حال میں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے حضرت زبیر بن العوامؓ کو چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا گیا اور آپ کا دم گھٹنے لگا فرماتے دم نکل بھی جائے زبان سے کلمہ توحید ہی نکلے گا۔

سیدہ بعینہ حضرت عمرؓ (قبول اسلام سے پہلے) کی لونڈی تھیں آپ انہیں مار مار کر تھک جاتے لیکن وہ مجاہدہ اسلام مار کھاتے ہوئے نہ تھکتیں اور سانس جڑتے ہی لا الہ الا اللہ پڑھنا شروع کر دیتیں چودہ صدیوں میں ہزار انقلابات، سیاسی شکست وریخت، جنگی ہزیمت اور بار بار مرکزیت ٹوٹنے کے باوجود اگر اسلام کی آن اور شان اب بھی سلامت ہے تو اس کے ایک بڑا سبب اس کی بنیادوں میں ارباب عزیمت کا پاکیزہ خون اور اس کا استحکام میں اصحاب وفا کی مخلصانہ اور مومنانہ جدوجہد کا شامل ہونا ہے۔

OOOO

Marfat.com

نوحہ ابوجہل

عمرو بن ہشام کو رسول اللہ ﷺ نے ''ابوجہل'' کہا اور یہ نام اس سے چپک کر رہ گیا، ورنہ تو وہ قریش کے ہاں اور مکے میں ''ابوالحکم'' کہلاتا تھا یعنی ''حکمتوں کا باپ'' بات بھی درست ہے جسے کائنات کی سب سے بڑی اور سچی حقیقت کا ادراک نہ ہو سکے اس سے بڑھ کر ابوجہل ۔۔۔ کون ہوگا؟

جب مکے کے کوچہ و بازار میں اسلام کا پیغام گونجا، تو کوئی کان ایسا نہ رہا جو اس سے آشنا نہ ہوا، ہو صنادید قریش اور عمائدین مکہ سر جوڑ کر بیٹھے کہ اس پیغام کو ہوا میں کیسے تحلیل اور پھیلنے سے پہلے کس طرح محدود کر دیا جائے؟! اسلام کا پیغام، اس کا مزاج، اس کی دعوت اور اس کا ہر پروگرام بتا رہا تھا کہ یہ کوئی دھرموں میں کسی دھرم کا اضافہ نہیں اور پوجا پاٹ کا کوئی نیا نظام نہیں بلکہ یہ اپنے دامن میں وہ بجلی رکھتا ہے جو خرمن کفر و شرک اور آشیانہ جاہلیت و نخوت پر گرے تو اسے راکھ بنا دے گی، مسئلہ اگر صرف پرستش کی رسوم اور چند مذہبی شعائر کا ہوتا تو رؤساء اور شرفاء اس قدر پست سطح پر اتر کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت و مزاحمت نہ کرتے مگر یہاں تو زندگی بھر کی جاہلانہ پونجی لٹنے اور غاصبانہ سکیم الٹنے کا معاملہ تھا بھلا وہ اسے ٹھنڈے پیٹوں کیسے برداشت کرے؟ انہوں نے جن خطوط پر سوسائٹی استوار اور ذہنی و فکری فضا تیار کر رکھی تھی، اس پیغام پر وہ سارے خطوط بکھرنے اور برسوں کی نفسیاتی فضا بدلنے کا امکان تھا، تاریخ میں بوجہلوں اور بولہبوں کے مختلف حیلے، جتن اور حربے درج ہیں، ایک روز ابوجہل نے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر فریاد کی کہ، اس واقعے کو حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اپنے بلیغ انداز میں منظوم کیا ہے، کہتے ہیں:

سینہ ما از محمد داغ داغ ۔۔۔ از دم او کعبہ را گل شد چراغ

(محمد کے اس پیغام اور اقدام سے ہمارے سینے چھلنی ہیں اور اس کے باعث کعبے کا

Marfat.com

چراغ گل ہو گیا ہے)

ساحر و اندر کلامش ساحری است ۔۔۔ ایں دو حرف لا الہ خود کافری است

(یہ جادوگر ہے اور اس کی بات میں بھی جادو بھرا ہے، یہ لا الہ تو بجائے خود کفر و انکار ہے)

تا بساط دین آباء درنورد ۔۔۔ با خداوندان ما کرد آنچہ کرد

(ہمارے آباء کے دین کی بساط اس نے لپیٹ دی ہے اور ہمارے خداؤں سے جو کچھ کیا اسی نے کیا)

مذہب او قاطع ملک و نسب ۔۔۔ از قریش و منکر از فضل عرب

(اس کا دین ملک و نسب کا قاطع ہے یہ قریش اور عرب کی فضیلت کا بھی منکر ہے)

در نگاہ او یکے بالا و پست ۔۔۔ با غلام خویش بر یک خواں نشست

(اس کی نظر میں بڑا اور چھوٹا ایک ہے اس نے آقا اور غلام کو ایک دستر خوان پر بٹھا دیا ہے)

قدر احرار عرب نشناختہ ۔۔۔ با کلفتان حبش در ساختہ

(اس نے عرب کے آزاد منشوں کی قدر نہیں پہچانی اور حبش کے غلاموں کو ان کے برابر کر دیا)

احمروں با اسوداں آمیختہ ۔۔۔ آبروئے دودمانے ریختہ

(گوروں کو کالوں سے ملا دیا اور اپنے خاندان کی آبرو بھی مٹا دی)

باز گو اے سنگ اسود باز گو ۔۔۔ آنچہ دیدم از محمدؐ باز گو

(اے حجر اسود تو ہی کچھ کہہ جو کچھ میں نے دیکھا تو اسے محمدؐ سے بیان کر اور اسے سمجھا)

اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر ۔۔۔ خانہ خود را ز بے کیشاں بگیر

(اے ہبل، تو ہی اس بندے کی فریاد سن اور اپنے گھر کو ان بے عقیدہ لوگوں سے بچا)

واقعہ یہ ہے کہ ابوجہل نے مانا تو نہیں لیکن اسلام کے ہدف اور پروگرام کو سمجھ گیا تھا، اس کی فریاد اس کا لہجہ اور اس کا اسلوب بتا رہا ہے کہ وہ اسلام کو سجدہ و رکوع اور محض ورد و وظائف کا مذہب نہیں بلکہ ایسا انقلاب سمجھ رہا تھا جو آقائی و غلامی، سیاہی و سفیدی، عربی و عجمی

اور رومی و حبشی کے سارے پیمانے توڑنے والا تھا اور جاہلی تہذیب کو ملیا میٹ کرنے والا تھا، اس کا یہ خدشہ بالکل درست تھا لیکن یہ خدشہ انسانیت کے لئے بہت مبارک تحفہ ثابت ہوا۔

OOOO

Marfat.com

پیغام اور کردار کی طاقت

دنیا میں بے شمار لوگ بڑے اونچے قد اور بے پناہ شہرت کے ساتھ کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں، ان میں حکماء بھی ہیں اور فلاسفر بھی، سلاطین بھی ہیں اور فاتحین بھی، شعراء بھی ہیں اور علماء بھی اہل زر بھی ہیں اور اصحاب ہنر بھی، لیکن حکماء باریک اور دقیق نکتے تو پیدا کر سکے، زندگی کے اطوار نہ بدل سکے، فلاسفر فنی بحثوں میں پڑے اور انسان پستی کے گڑھوں میں گرے رہے سلاطین کی عظمت کے ڈنکے تو بجے مگر انسانی عظمت کو بڑے چرکے لگے فاتحین نے ملک فتح کیے دل مفتوح نہ کر سکے، شعراء کی خیال آفرینی اپنی جگہ لیکن اصل سوال انسان کی باز آفرینی کا ہے، علماء فقہی وکلامی مسائل تو حل کرنے میں کامیاب رہے مگر خالص انسانی مسائل تشنہ تکمیل رہے۔ اہل زر خزانوں کے مالک بنے انسانوں کے محافظ نہ بن سکے، اور اصحاب ہنر کی ساری فن کاری ان کی ذات کے لئے تھی کائنات ان کی خوبیوں سے استفادہ نہ کر سکی، انسانوں کی جماعت میں صرف انبیاء کرام وہ مقدس لوگ ہیں جن کے پیغام میں وسعت اور کردار میں طاقت تھی، اور یہی عالم انسانی کی اصل ضرورت ہے جو فرد یا طبقہ یہ ضرورت پوری نہیں کرتا اس کا سارا کام ادھورا رہ جاتا ہے۔

آج دنیا میں جو اجالا ہے وہ کسی حکیم وفلسفی، سلطان و فاتح، شاعر و متکلم اور صاحب سرمایہ وفن کے باعث نہیں بلکہ انبیاء کرام کی تعلیمات اور سیرت کا فیض ہے، یہی لوگ تھے جن کی سوچ آفاقی اور عمل کائناتی تھا، یہ اپنی ذات کے لئے نہیں کائنات کے لئے سوچتے تھے صرف بات پر اکتفا نہیں کرتے تھے جو کہتے تھے اس پر پہلے خود عمل کرتے تھے اس لئے ان کے پیغام کو وسعت بھی ملی اور ان کے کردار کو عظمت اور قوت بھی نصیب ہوئی انبیاء کرام کی اکثریت غریب خاندانوں، غریب لوگوں اور غریب طبقوں سے تعلق رکھنے والی تھی مگر ان کے حلقہ تربیت وعقیدت میں بڑے بڑے سلاطین اور فاتحین داخل ہوئے ان کے حلقہ

Marfat.com

ارادت میں نامی گرامی حکماء اور ادباء آئے اور ان کے حلقہ اثر میں شہر و ملک تو کیا پورے کے پورے براعظم شامل ہوئے، یہ پھیلاؤ، یہ وسعت اور یہ اشاعت تلوار کے زور پر نہیں بلکہ تعلیم و کردار اور اخلاق و سیرت کے زور پر ہوئی اور یہی ان کا سب سے بڑا معجزہ اور کارنامہ ہے جس نے انہیں لوح کائنات اور جریدہ عالم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا ہے، اور انسانی تاریخ کا کوئی دوران کو نظر انداز کر کے اپنا سفر جاری نہیں رکھ سکتا۔ انبیاء کرام کا پیغام بھی خوب تھا اور ان کا کردار بھی قابل رشک یہ دونوں چیزیں مل کر بنائے انقلاب ثابت ہوئیں، پیغام اچھا ہو مگر کردار نہ ہو تو کتابوں میں گم ہو جاتا ہے اور اگر کردار تو بہتر ہو مگر پیغام سطحی ہو تو کبھی عالمگیری شان پیدا نہیں کر سکتا، یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں، جس طرح سورج اور اس کی کرن اور پھول اور اس کی خوشبو کا آپس میں فطری و لازمی ربط ہے اسی طرح پیغام اور کردار دونوں جڑواں بھائی ہیں انہیں الگ نہیں کیا جا سکتا، معروف عالم دین اور صاحب اسلوب نثر نگار مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ میں 1924ء میں مصر و حجاز کے سفر سے واپس آ رہا تھا، بحری جہاز کا سفر تھا اور اتفاق سے مشہور شاعر اور دانشور ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور بھی امریکہ کے سفر سے واپسی پر اس جہاز میں تھے، ان سے سوال کیا گیا کہ برہمو سماج تحریک کی ناکامی کا کیا سبب تھا؟ حالانکہ وہ بڑی پر امن، منصفانہ اور انسانی محبت کی تحریک تھی، وہ ہر مذہب کے بنیادی اصول و کلیات کو سچ ماننے والی اور ہر مذہب کے پیروکاروں میں اخوت کو اجاگر کرنے والی تھی، اور اس کا لائحہ عمل بھی بڑا سائنٹفک اور انداز بھی پر کشش تھا مگر اس کے باوجود وہ آگے نہ چل سکی، تو فلسفی شاعر ٹیگور نے بڑا خوبصورت اور جامع جواب دیا، کہنے لگا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اصول بڑے اچھے اور پیغام بڑا حسین تھا، مگر اس کی پشت پر کوئی ۔۔۔ عملی شخصیت ۔۔۔ موجود نہ تھی پیغام کی وسعت اور کامیابی کے لئے اس کے پیچھے ایک باعمل داعی کا ہونا ضروری ہے اور اس باب میں اسلام کو یہ اعزاز اور فوقیت حاصل ہے کہ اس کا پیغام بھی خوب ہے اور اس کا پیغمبر بھی خوب تر ہے، ان دونوں کا ملاپ کسی تحریک کی کامیابی کے لئے ضامن بنتا ہے، اس راز کو انبیاء کرام نے خوب سمجھا اور پھر دنیا کو ان کا پیغام سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی، اس کی ایک روشن اور واضح مثال ہرقل روم کے دربار میں ہونے والا ایک مکالمہ ہے

Marfat.com

جواس دعوے کی بڑی طاقتور دلیل ہے۔

6ھ میں صلح حدیبیہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور ﷺ نے پڑوسی ممالک کے فرمانرواؤں کو دعوتی و تبلیغی خطوط روانہ کئے، ایک خط دحیہ کلبی کے ذریعے قیصر روم ہرقل کے نام بھیجا وہ ان دنوں بیت المقدس میں مقیم تھا اس نے خط پا کر اپنے افسروں کو کہا اگر حجاز کے تاجر یہاں آئے ہوئے ہیں تو انہیں میرے پاس حاضر کیا جائے تا کہ میں صورتحال کا جائزہ اور اس پیغام کے بارے میں معلومات حاصل کر سکوں، اتفاق سے اسی زمانے میں ابوسفیان ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ شام گئے ہوئے تھے اور غزہ میں مقیم تھے رومی افسر انہیں لے کر قیصر کے دربار میں پیش ہوا، قیصر نے اہل قافلہ سے پوچھا، تم میں کون ہے جو مدعی نبوت کا قریبی رشتہ دار اور واقف کار ہو، ابوسفیان آگے بڑھ کر بولے کہ میں ہوں، ان کے حالات سے پوری طرح آگاہ اور رشتہ دار، فرمایئے کیا حکم ہے؟ اور کیا معاملہ درپیش ہے؟ ہرقل نے درباریوں سے کہا کہ باقی اہل قافلہ کو پیچھے کر دو، اور ابوسفیان کو میرے قریب لاؤ تا کہ میں اس سے کچھ سوال و جواب کر سکوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے بھیجے گئے خط اور قبول اسلام کی دعوت کے بارے میں وضاحتیں طلب کر سکوں، پھر اس نے ابوسفیان کے ساتھیوں سے کہا کہ میں تمہارے سردار سے کچھ باتیں پوچھوں گا اگر وہ صحیح جواب نہ دے تو تم ٹوک دینا اور اس کی تصحیح کر دینا تا کہ مجھے کوئی غلط فہمی اور خلجان لاحق نہ ہو۔

ابوسفیان کہا کرتے تھے کہ اگر میں اس بات سے خوفزدہ نہ ہوتا کہ میرے ساتھی مکے میں جا کر میری دروغ گوئی کا چرچا کریں گے اور مجھے رسوا کریں گے تو میں ہرقل کے ساتھ سوال و جواب میں ضرور ہیر پھیر کرتا تا کہ محمد ﷺ کی صداقت کے بارے میں وہ تذبذب کا شکار ہو جاتا، بہر حال تاریخ میں محفوظ رہنے اور جگہ پانے والا یہ مکالمہ کچھ اس طرح ہے۔

ہرقل: یہ شخص جو نبوت کا مدعی ہے وہ نسب میں کیسا ہے؟

ابوسفیان: نہایت عالی حسب اور شریف النسب ہے۔

ہرقل: اس سے پہلے بھی کسی نے اس کے خاندان میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں ایسا پہلی بار ہوا ہے۔

ہرقل: اس کے دین کو جن لوگوں نے قبول کیا ہے وہ اشرافیہ اور معززین ہیں یا

Marfat.com

کمزور اور بے حیثیت لوگ اور محروم و مظلوم؟

ابوسفیان: زیادہ تر لوگ غلام، بے وقعت، کمزور، غریب اور گرے پڑے لوگ ہیں۔

ہرقل: اس کے ماننے والوں میں کمی ہو رہی ہے یا لوگ برابر بڑھ رہے ہیں؟

ابوسفیان: روز بروز بڑھ رہے ہیں۔

ہرقل: کیا کوئی شخص قبول اسلام کے بعد اس سے منحرف بھی ہوا ہے یا اپنی جگہ جما ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں، کوئی منحرف نہیں ہوا اور پوری استقامت سے وہ اپنے عقیدے پر قائم ہے۔

ہرقل: کیا دعویٰ نبوت سے پہلے تم لوگوں کو اس سے کسی جھوٹ کا تجربہ ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں وہ صادق اور راست باز شخص ہے۔

ہرقل: اس نے کبھی کسی سے کوئی بدعہدی کی ہے؟

ابوسفیان: اب تک کوئی ایسی شہادت نہیں ملی کہ وہ اپنے وعدے سے پھرا ہو۔

ہرقل: اس سے کبھی تمہاری جنگ ہوئی ہے؟

ابوسفیان: ہاں

ہرقل: کیا نتیجہ نکلا؟

ابوسفیان: کبھی ہم ہارے اور کبھی وہ۔

ہرقل: اچھا یہ بتاؤ، اس کا پیغام کیا ہے؟ اور وہ کیا مطالبہ کرتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، اپنے آباؤ واجداد کا مذہب چھوڑ دو نماز پڑھو، سچ بولو، بے حیائی اور زنا سے بچو پرہیز گاری اختیار کرو، خیرات کرو، عزیز و اقارب سے نیکی کرو، فیاضی ،رحمدلی اور صلہ رحمی کا سلوک کرو۔

اس مکالمے کے بعد ہرقل بولا ،اے سردار قریش، جو کچھ تم نے کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو مدعی نبوت بلاشبہ سچا نبی ہے، مجھے یہ خیال ضرور تھا اور میں نے سن بھی رکھا تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ عرب میں ظاہر ہوگا، مجھے یقین ہے ایک دن ایسا

Marfat.com

آئے گا کہ وہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی پر قبضہ کر لے گا، میں اس کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں، میرے بس میں ہوتا تو میں اس کے پاؤں دھوتا۔

ہرقل کا یہ ردعمل دیکھ کر ابوسفیان کے ہوش گم ہو گئے اور اپنے رفقاء سے آ کر کہا۔

''محمد ﷺ کا معاملہ تو اب اس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ رومی گوروں کا بادشاہ بھی اس سے دبنے اور ڈرنے لگا ہے'' یہ ایمان افروز، وجد آفرین، تاریخ ساز اور انتہائی پر فخر مکالمہ پیغام و کردار کی طاقت کو خوب واضح کرتا نظر آتا ہے، اور عربی کا وہ مشہور مقولہ غالباً اس موقع کے لئے موزوں کیا گیا۔

''الفضل ما شهدت به الاعداء'' یعنی فضل و کمال تو دراصل وہ ہوتا ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں۔ جس دور کا یہ مکالمہ ہے ابوسفیان مخالفین اسلام کا سرخیل تھا، اور ہرقل غیر جانبدار، مگر ابوسفیان کو جرات نہ ہو سکی کہ وہ خلاف واقعہ کوئی بات کہہ سکے یا اسلام اور پیغمبر اسلام کے پیغام اور کردار کو جھٹلا سکے، آفتاب آمد دلیل آفتاب کی مانند اسلام کی تعلیم خود اس کی صداقت کی روشن دلیل ہے اور حضور ﷺ کا کردار آپ کا زندہ معجزہ اور ناقابل تردید حوالہ اور کارنامہ ہے۔

مسلمانوں نے بلاشبہ جنگیں بھی لڑیں، مختلف علاقوں کو اپنی قلمرو میں بھی شامل کیا، اور جہاد کے عمل میں بھی شریک رہے مگر اسلام تلوار سے نہیں اپنے پیغام اور اپنے داعی کے کردار سے پھیلا، ایک دور ایسا بھی آیا کہ مسلمان ہزیمت سے دوچار ہوئے، علاقوں سے نکالے گئے، ان سے ملک چھینے گئے اور ان کی نسل کشی ہوئی مگر اسلام کی اشاعت اپنی فطری رفتار سے جاری رہی، اس کا حکومتی و حربی غلبے سے کوئی تعلق نہیں رہا؛ افریقہ کے ریگزار ہوں یا مشرق بعید کے جزائر ایشیا کے میدان ہوں یا یورپ کے مرغزار، ہر جگہ اسلام کی خوشبو پھیلی اور اس کے پیچھے پیغام کی آفاقیت اور کردار کی طاقت کارفرما تھی۔

OOOO

Marfat.com

اسلام کی شان اعتدال

اسلام اس باب میں بہت فراخ دامن، وسیع الفطرت اور غیر متعصب ہے کہ وہ حق اور علم پر کسی کی اجارہ داری تسلیم نہیں کرتا، اس لئے کہ یہ دین خدا کا ہے اور خدا تمام جہانوں کا ہے، رب العالمین اور رب الناس، وہ حق کی تلاش کو واجب اور علم کے حصول کو لازم قرار دیتا ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ یہود و نصاریٰ کی اس نفسیاتی کیفیت اور محدود ذہنیت پر تنقید اور تعریض کی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نجات اور ہدایت نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ یہودی اور نصرانی نہ بن جائے، یہود خود کو خدا کر کے ''احبارء'' یعنی چہیتے دوست اور نصرانی اپنے آپ کو خدا کے ''ابناء'' یعنی بیٹے تصور کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں دعووں کو بے دلیل، ان نعروں کو بے اصل اور ان باتوں کو لغو قرار دیا، اور فرمایا کہ نجات اخروی اور ہدایت دینوی کے لئے یہود و نصاری بننا ضروری نہیں بلکہ ''ربانی'' یعنی اللہ والا ہونا ضروری ہے، اس اسلام نے نجات اور ہدایت کو کسی خاص نسل، علاقہ، زبان اور مشرب تک محدود نہیں رکھا بلکہ توحید اور عبادت کے اصول و عملی مزاج سے منسلک کیا ہے، اسلام میں کوئی پیدائشی گناہ گار اور موروثی متقی کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ یہ دونوں اوصاف اکتسابی ہیں، جو جیسا عمل کرے گا ویسا کہلائے گا، نہ گناہ وراثت میں ملتا ہے اور نہ تقویٰ، یہی حال دوسرے اوصاف حسنہ کا ہے۔

چنانچہ اسلام نے جہاں محمد ﷺ کی نبوت کو اپنے پیروکاروں کے لئے ماننا لازم قرار دیا ہے وہاں دیگر انبیاء کرام علیہ السلام پر بھی ایمان کو لازمی قرار دیا ہے، قومی اختلاف کو بنیاد بنا کر اسلام نے دوسرے انبیاء کے انکار کو کفر کہا ہے ویسا ہی کفر جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کفر ہے قرآن مجید یہودیوں کے مزاج اور نصرانیوں کے اطوار کو حق انسانیت اور سوسائٹی کے لئے بہت مکروہ، مہلک اور ہولناک کہتا ہے ان کی سازشوں کو بے نقاب کرتا

Marfat.com

ہے، ان کی دوغلی ذہنیت سے پردہ اٹھاتا ہے ان کی بداعتقادی اور بدعملی کو خوب واضح کرتا ہے مگر مسلمانوں کو اس امر کا پابند کرتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح خدا کا رسول مانیں جس طرح وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی مانتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب ۔۔۔تورات۔۔۔کو اسی طرح منزل من اللہ اور الہامی کتاب سمجھیں جس طرح وہ۔۔۔قرآن مجید۔۔۔کو سمجھتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اترتے والی۔۔۔انجیل۔۔۔کو بھی قرآن مجید کی طرح الہامی کتاب کا درجہ دیں، انبیاء اور کتب سماوی میں ذرا سی بھی تفریق کفر صریح ہے۔

یہود و نصاریٰ کا سارا فلسفہ اور زور صرف اس بات پر تھا کہ ہم ہی جنت کے حقدار، نجات یافتہ، برسرحق اور رحمت الٰہی کے مستحق ہیں، مگر یہ ان کی آرزو اور خواہش تھی، ناتمام اور ناآسودہ اس کا حق اور حقیقت دونوں سے کوئی تعلق نہ تھا ان کے پاس یہ ثابت کرنے کے لئے نہ فکری دلیل تھی اور نہ حسن عمل۔

(سورۃ البقرہ میں ہے)

''ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) وہ عیسائی نہ ہو، یہ محض ان کی تمنائیں ہیں، ان سے کہو اپنی دلیل پیش کریں اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ذات کو اللہ کی اطاعت میں دے دے اور عملاً نیک روش اختیار کرے اس کے لئے اس کے رب کے پاس اجر ہے۔(110-112)

اس سے متصل اگلی آیت بھی اس کم نظری، جانبداری، تعصّب، غلط فہمی اور کج فکری کو واضح کر رہی ہے جو یہود و نصاری کی نفسیات میں اس طرح پیوست ہوگئی تھی کہ حق آجانے اور حقیقت واضح ہونے کے باوجود ان سے جدا نہ ہوسکی، ارشاد ربانی ہے۔

''یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی خالی ہاتھ ہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں اور اسی قسم کے دعوے ان لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں یہ اختلافات جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں ان کا فیصلہ قیامت کے روز اللہ کر دے گا'' (البقرہ:113)

Marfat.com

آگے چل کر قرآن مجید نے بڑی اصولی اور عقلی بات کہی ہے کہ ''ہدایت کا راستہ بس وہی ہے جو اللہ کا راستہ ہے (البقرہ:120) ہدایت پر کسی قوم اور نسل، رنگ اور علاقے کا اجارہ نہیں، ہدایت دراصل وہ توفیق ہے جو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے ہدایت وہ نور ہے جو الٰہی اور ربانی ہے اور یہ نور اور ہدایت انہیں نصیب ہوتی ہے جو خود کو اللہ کی بندگی میں دے دیتے ہیں، کسی تعصب اور ذہنی تحفظ کے بغیر، نہ کوئی قومی غرور آڑے آتا ہے، نہ نسلی تفاخر سدراہ بنتا ہے، نہ مشربی تعصب غالب آتا ہے اور نہ جاہلی نفسیات رکاوٹ بنتی ہیں۔

مختلف مذاہب کا ایک مخصوص مزاج ہے جس کا سراغ ان کے مطالعہ اور تاریخ میں جھانکنے سے ملتا ہے، بدھ مت کا نروان (فنا) ہندو مت کا آواگون (تناسخ) یہودیت کا بے لچک قانون یعنی Love Less Law اور عیسائیت کا مزاج بے ہنگم محبت یعنی Law Less Love ہے مگر اسلام چوں کہ ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل اور جامع دین ہے اس لئے اس کی بنیاد ۔۔۔ عدل ۔۔۔ ہے اور یہی توازن و اعتدال انسان اور سوسائٹی کو ہر قسم کی اعتقادی کجی، فکری زیغ، عملی ضلال، ذہنی اختلال اور نفسیاتی پیچیدگی سے بچاتا ہے اسلام نے عقیدہ و عمل دونوں میں اعتدال کو سنگ میل کا درجہ دیا ہے۔

وہ احقاق حق اور اعلان حقیقت میں نہ دباؤ سے کام لیتا ہے اور نہ سفارش کو مانتا ہے، اس کے ہاں قرب و بعد ` محبت و نفرت، اپنائیت اور اجنبیت اور ہدایت و ضلالت کا تعلق جذبات سے نہیں اصولوں سے ہے، اس کا کوئی سگا اور سوتیلا نہیں، وہ ہر نوع کے تعصب کی نفی کرتا اور تقرب کو اصول کی کسوٹی پر پرکھتا ہے، جو میزان عدل و اصول پر پورا اترا وہی مومن اور ناجی ہے، کسی قدر مبنی بر صداقت، بصیرت افروز، آفاقی و کائناتی اور میزان فکر و عمل میں سونے سے تلنے کے قابل یہ فرمان قرآنی ہے جس کے آگے ہر زمانے کے حق پرست لوگوں کی پیشانیاں احترام و عقیدت سے جھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر حق و راستی پر قائم رہو اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ عدل سے ہٹ جاؤ عدل کرو کہ یہی تقویٰ کے قریب تر ہے تم ہر معاملے میں اللہ سے ڈرو وہ بلاشبہ تمہارے ہر فعل سے پوری طرح باخبر ہے'' (المائدہ۔8)

Marfat.com

ایمان بالرسل اور ایمان بالکتب میں یہی فلسفہ اور اصول کارفرما ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرانیوں سے کیا کیا گزند نہیں پہنچا؟ اور یہودیوں کی کن کن سازشوں نے اسلام اور اہل اسلام کو نقصان نہیں پہنچایا؟ مگر نہ تو اسلام کا اصول اور نہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کسی ردعمل اور تعصب کا شکار ہوا اور نہ اسلام نے اپنے اصولی موقف سے ہٹ کر اپنے ماننے والوں کو کوئی تعلیم دی، کفار و مشرکین کا مخالفانہ ردعمل تو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ بت پرستی میں مبتلا تھے اور حضور صلی اللہ علیہ ولم نے بت شکنی کی بات کی، وہ کسی وحی والہام کے منکر تھے جب کہ اسلام وحی والہام کی بات کرتا ہے تو وہ اللہ کی بندگی کے قائل نہ تھے جب کہ اسلام سارے کا سارا اللہ کی بندگی کا دوسرا نام ہے مگر یہود و نصاریٰ تو ۔۔۔ اہل کتاب ۔۔۔ تھے سلسلہ نبوت اور وحی کے قائل تھے اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے اس کے باوجود انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت کی، محض اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبیلے، ان کی قوم اور ان کے مسلک کے نہ تھے اور اسلام ان کی تورات اور انجیل میں تحریکات کا پردہ چاک کرتا، ان کی جھوٹی آرزوؤں کے پول کھولتا، ان کے خودساختہ تخیلات کی تردید کرتا اور ان کے مختلف انبیاء کی تکذیب کو نشانہ تنقید بناتا تھا اور یہی چیز یہود و نصاریٰ کو ناگوار تھی، یعنی معیار اور کسوٹی حق اور حقیقت نہیں بلکہ ضد اور عصبیت تھی۔

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے موضوع کو اپنا مرکزی موضوع قرار دیا ہے، ایک پوری سورت اسی نام پر ہے، پہلے اور دوسرے پارے میں غالب ذکر بنی اسرائیل کا ہے، اسی طرح دوسری متعدد سورتوں میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے، یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اس وقت مکہ اور مدینہ میں دو گروہ ایسے تھے جو کسی الہامی مذہب کا خود کو پیروکار سمجھتے تھے مگر ان کا طرز عمل کسی اصولی فکر اور الہامی دین کے علمبردار اور نام لیوا لوگوں کا نہ تھا بلکہ سراسر قومی و نسلی عصبیت اور گروہی رقابت کا تھا اور انہیں حق کے اجارہ دار ہونے کا زعم لاحق تھا۔ حالانکہ وہ زعم باطل ہوتا ہے جو انسان کو قبول حق اور اعتراف حقیقت سے بہت دور لے جاتا ہے اور محروم کر دیتا ہے، سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 41 بہت چشم کشا اور حقیقت افروز ہے۔

''اور تم ایمان لے آؤ اس پر جو میں نے نازل کیا اور جو کچھ تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے یہ کتاب اس کی ایک تصدیق کرنے والی ہے اور تم اس سے پہلے پہل انکار کرنے

Marfat.com

والے نہ بن جاؤ''۔

یہ ایک طرح کا اظہار تاسف ہے یہود و نصاریٰ کی ذہنیت پر کہ جنہیں سب سے پہلے قرآن مجید کو ماننا چاہیے تھا کیوں کہ قرآن مجید نے تورات اور انجیل کی تصدیق کی ان کی صداقت پر گواہی دی، ان کے الہامی ہونے کی تائید کی، اور ان کی جوہری تعلیمات کو اسلام قرار دیا لیکن افسوس کہ انہوں نے اس دین اور کتاب کی سب سے پہلے تکذیب و تردید کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وجوب کے بعد کچھ عرصہ مکہ مکرمہ اور سترہ ماہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، اور اہل اسلام نے بھی اسی جانب رخ کر کے نماز پڑھی، حالانکہ بیت المقدس یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا، اور یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی کوئی مخفی امر نہ تھا اس کے باوجود حکم الٰہی کی تعمیل میں کعبہ ابراہیمی کے بجائے بیت المقدس کو قبلہ کا درجہ حاصل رہا یہ قبول حق اور اصول عدل کی بہت واضح روشن اور ناقابل تردید دلیل اور مثال ہے، حالانکہ جب یہود و نصاریٰ کا آپس میں اختلاف ہوا اور بات قتل و قتال تک پہنچ گئی تو ان دونوں گروہوں نے گروہی مخاصمت کے باعث اپنا قبلہ الگ الگ کر لیا، یہود نے بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنایا اور عیسائیوں نے بیت اللحم کو قبلہ قرار دے دیا حضور ﷺ کو کعبہ ابراہیمی بہت عزیز تھا، وہ ان کے جدامجد کی یادگار ہے، آپ ملت ابراہیمی کے پیروکار تھے، نبوت کا منصب بنی اسرائیل سے نکل کر بنی اسماعیل میں منتقل ہوا تھا، اور آپ حضرت اسماعیل علیہ اسلام کے بعد بنی اسماعیل کے پہلے نبی بنے، درمیانی عرصے میں جو چار پانچ ہزار سال پر مشتمل ہے نبوت اور حکومت بنی اسرائیل کے پاس رہی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت عظیم کا قرآن مجید میں بار بار تذکرہ کیا ہے اس سب کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں نے کسی خاندانی عصبیت اور گروہی رقابت کا مظاہرہ نہیں فرمایا اس لئے کہ جس دین کو لے کر حضورؐ اٹھے اس میں تعصب نہیں بلکہ اس کا جوہر عدل ہے اور عدل ایک بے آمیز بے لاگ اور بے میل صفت ہے جس کے دربار میں تعصب، رعایت، ذاتی جذبات اور رشتے کبھی باریاب نہیں ہوتے۔

اسی عدل کے اصول کی پاسداری کا نتیجہ ہے کہ اسلام کسی خاص وطن، کسی خاص قوم، کسی خاص رنگ اور کسی خاص زبان کا دین نہیں بلکہ سبھی علاقوں، نسلوں، رنگوں اور زبانوں

کے لوگ اس کے حلقہ بگوش ہیں، اور حکمت کو مومن کی گمشدہ میراث سمجھتے ہیں، جہاں سے ملے اسے پانے کی کوشش کرتے ہیں، تاہم جو برخود غلط لوگ اسلام کے گرد تعصب کا حصار کھینچتے ہیں وہ اپنی کم ظرفی دکھاتے ہیں ورنہ اس داغ سے اسلام کا دامن بالکل پاک ہے۔

OOOO

Marfat.com

ایثار واخلاص کی برکت

غزوہ تبوک اسلامی تاریخ میں ''جیش العسرہ'' کے نام سے معروف ہے، یعنی ''غربت وتنگی کا لشکر'' اس موقع پر مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی ریاست افراد و وسائل کے اعتبار سے سخت تنگدستی کا شکار تھی، یہ عجیب بات ہے کہ اسلامی تاریخ جب بھی کبھی افرادی و مالی بحران میں مبتلا ہوئی اس موقع پر ایثار، اخلاص اور اطاعت کے لازوال اور بے مثال واقعات اور نمونے سامنے آئے اور ایثار واخلاص، وفا وسخا اور اطاعت واستقامت کی روشن مثالیں قائم اور ایمان افروز داستانیں رقم ہوئیں۔

غزوہ تبوک وہ پہلا موقع ہے جب حالات کی نزاکت اور مالی مشکلات کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے عام لام بندی اور چندے کی اپیل کی، اور اسلامی جماعت کی طرف جو مثبت، شاندار اور یادگار ردعمل سامنے آیا وہ تاریخ انسانی میں جذبہ فدویت، کمال سخاوت، بے لوث اطاعت اور ایمان پرور استقامت کا ایک ناقابل فراموش اور زریں باب ہے، اور منزل ایقان وعشق کا اہم سنگ میل۔

یہی وہ غزوہ تبوک ہے جب حضرت عثمانؓ نے سو اونٹ ساز وسامان کے ساتھ سالار قافلہ اسلامی ﷺ کی خدمت میں پیش کئے، حضرت عمرؓ نے اپنے گھر کا پورا اثاثہ دو حصوں میں بانٹ کر ایک حصہ اہل وعیال کے لئے اور دوسرا حصہ لشکر اسلام کے لئے وقف کیا، اور حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر ایثار ووفا کی ابد تک یاد رہنے اور صفحہ تاریخ پر رقم ہونے والی مثال قائم کی جب گھر کا پورے کا پورا سامان سمیٹ کر بارگاہ رسالت ﷺ میں پیش کیا حتیٰ کہ وہ دیواروں پر ہاتھ پھیر کر ٹٹولتے رہے کہ کہیں کوئی سوئی دیوار میں اٹکی تو نہیں رہ گئی، اور وہ گھر میں نہ پڑی رہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے تن کے کپڑے اتار کر وہ بھی سامان میں رکھ لئے اور خود ایک بوسیدہ ٹاٹ لپیٹ کر اور ببول کے کانٹوں کو تکمے (بٹن) بنا کر حضور صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے، یہ عالم دیکھ کر حضورؐ اور صحابہ کرام حیرت و مسرت کی عجیب کیفیت میں ڈھل گئے، اس منظر کو مورخین نے اپنے اپنے انداز میں سپرد قلم کیا ہے مگر حکیم الامت اقبالؒ کا رنگ جداگانہ ہے، انہوں نے اسے اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔

اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضورؐ چاہیے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعث تکوین روز گار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

عین اسی لمحے حضرت جبرئیلؑ بھی خدمت نبوت میں حاضر ہوئے اور اس حال میں کہ صورت بشر ہے اور ٹاٹ کا لباس! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیر آمیز لہجے میں لباس پہننے کا سبب پوچھا تو حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا۔

''مجھی پر کیا موقوف ہے آج جملہ اہل آسمان نے وہی لباس زیب تن کر رکھا ہے جو حضرت ابوبکرؓ نے پہنا ہوا ہے اس لئے کہ خدا کو یہ جذبہ ایثار اور انداز صدیقیؓ بہت پسند آیا ہے''۔

ایک اور منظر اس سے بھی زیادہ تابناک ہے کہ ایک صحابی کھجوروں کا ٹوکرا حضورؐ کے سامنے رکھتے ہوئے نارسائی اور تاسف کے انداز میں عرض گزار ہوا، یارسول اللہؐ مجھے علم ہے کہ حضرت عثمان نے ایک ہزار دینار نقد اور ساز و سامان کے لدے ہوئے نو سو اونٹ پیش کئے ہیں، حضرت عمرؓ نے آدھا گھر نذر کیا ہے اور حضرت ابوبکرؓ نے پورے کا پورا سرمایہ اور اثاثہ قربان کر دیا ہے، میں ایک مزدور ہوں، یہودی کا رہٹ چلا کر اس کے کھیتوں کو سیراب

Marfat.com

کرتا ہوں، یہ مری رات بھر کی محنت کا معاوضہ بھی ہے اور گھر بھر کا اثاثہ بھی، ایک بار سوچا کہ یہ کھجور گھر لے جاؤں بال بچے اسی کے انتظار میں ہوتے ہیں، پھر خیال آیا کہ میرے بال بچوں سے زیادہ مجاہدین اسلام اس کے مستحق ہیں لہٰذا آپ کے ہاں چلا آیا، میں غریب شخص کسی کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا تاہم جو دال بھات ہو سکا پیش کر دیا ہے براہ کرم اسے قبول فرمایئے اور دوسرے سامان میں شامل کر لیجئے ممکن ہے یہ کھجوریں ایک آدھ سپاہی کی بھوک کا مداوا کر سکیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مزدور صحابی کا یہ جذبہ ایثار و اخلاص دیکھا تو آپ کی آنکھیں بھر آئیں اور آپ نے بے پناہ جذبات تشکر کے ساتھ اس کی خدمت کو سراہا اور ساتھ ہی حضرت بلالؓ سے فرمایا ''جس حسن نیت اور خلوص کے ساتھ میرے اس دوست نے تھوڑے سے کھجور پیش کئے ہیں یہ اٹھا کر ہزاروں لاکھوں کے اس سامان پر بکھیر دو مجھے یقین ہے انہی کھجوروں کے صدقے میں اللہ تعالیٰ سب کی قربانی و ایثار کو قبول فرمائے گا'' آپ کی یہ حوصلہ افزائی ہر زاویے سے درست تھی اس لئے کہ حضرت عثمان نے جتنا کچھ دیا اس سے کہیں زیادہ ان کے پاس مال موجود تھا، حضرت عمرؓ نے آدھا مال دیا تھا اور آدھا اہل عیال کے لئے رکھ چھوڑا، اور حضرت ابوبکرؓ نے گو پورے کا پورا اثاثہ غزوہ تبوک کے مجاہدین کے لئے وقف کر دیا مگر وہ شہر کے معزز اور تاجر پیشہ شخص تھے وہ چند ہی دنوں میں دوبارہ مال کما سکتے تھے مگر یہ مزدور اور دیہاڑی دار صحابی تو وہ تھا جس کا سارا اثاثہ بھی یہی تھا اور بال بچوں کا نان نفقہ بھی یہی، مگر ان کے عشق فراواں اور ذوق ایماں نے انہیں اپنا روزینہ پیش کرنے پر مجبور کر دیا۔

قطرہ خون جگر سے کی تواضع عشق کی
سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھ دیا

چونکہ یہ جنگ بڑی اہم تھی اور مد مقابل بہت طاقتور، چالاک اور مالدار، اس لئے بہت سا ساز و سامان جمع ہونے کے باوجود اسلامی لشکر اس کی عددی قوت اور وسعت کے مقابلے میں پھر بھی کم تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نہایت کفایت شعاری اور جزرسی سے کام لینے کی تلقین اور تاکید فرمائی، حکم یہ تھا کہ پانی کی قلت کے باعث تیمّم کیا جائے، کھجور کھائے نہیں سونگھے جائیں، جس قدر ممکن ہو بھوک اور پیاس پر ضبط کیا

Marfat.com

جائے، پانی سے ہونٹ اور زبان تر کر کے پیاس کی شدت کو گھٹایا جائے تا کہ زادراہ کسی مشکل وقت کے لئے اندوختہ کیا جاسکے۔

لشکر اسلامی تیس ہزار افراد پر مشتمل تھا اور دس ہزار گھوڑے ہمراہ تھے، اس اعتبار سے افراد بہت زیادہ مگر اسباب سفر اور سامان خورد ونوش نسبتاً کم تھا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس موقع پر چالیس ہزار درہم پیش کئے تھے (واضح رہے کہ عرب میں دینار سب سے زیادہ قیمتی سکہ تھا اور درہم کم قیمت کا جیسا کہ آج کل کویت کا دینار بہت قیمتی اور عرب امارات کا درہم اس کے مقابلے میں کم مالیت رکھتا ہے)

حضرت خثیمہؓ لشکر اسلامی کے ساتھ نہیں گئے تھے، وہ اپنی دو بیویوں کے پاس چلے گئے جنہوں نے سخت لو اور گرمی کے موسم میں ان کے لئے اچھا خیمہ گاڑ رکھا تھا اور پانی کا چھڑکاؤ کر کے آرام دہ فضا کا اہتمام کیا ہوا تھا مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ہمراہ قحط لو اور سخت گرمی کے موسم میں سفر جہاد پر ہیں تو حضرت خثیمہ فورا چونک کر اٹھے اور کہا "حیف ہے مجھ پر کہ میں اس آرام دہ ماحول میں ہوں اور حضور سخت گرمی میں سفر پر، مجھے بھی ان کے ساتھ ہونا چاہیے" یہ کہہ کر اٹھے اور بغیر کھانا کھائے، پانی پیئے اور بیویوں سے ملے سفر پر نکل کھڑے ہوئے اور قافلہ اسلامی سے جا ملے۔

یہ جنگ قیصر روم سے لڑی جانے والی تھی اور اس کی سپاہ دو لاکھ فوجیوں پر مشتمل تھی، مگر قدرت کی حکمت سے اسے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی تیاری، صحابہ کرام کے جذبہ جاں نثاری اور سپاہ اسلام کی فداکاری کی اطلاع ملی تو وہ جنگ لڑنے کے ارادے سے باز آ گیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلامی کی لاج رکھ لی اور بغیر ہتھیار اٹھائے اور جانیں دیئے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کر دیا۔

غزوہ تبوک کے موقع پر پیش آنے والے ایثار اور اخلاص کے مظاہرے و مناظرے نے دراصل یہ بات واضح کر دی کہ اگر اہل اسلام کا جذبہ صادق، یقین کامل، ارادہ راسخ، عزم مستحکم اور ایمان غیر متزلزل ہو تو اللہ تعالیٰ کسی بڑے امتحان میں ڈالے بغیر حاملین اسلام کو ہر میدان میں سرخرو کر دیتا ہے، گویا جو قوم ایثار پر آ جائے اللہ تعالیٰ اس کا بھرم اور وقار نہیں ٹوٹنے دیتا اور جو امت اخلاص کا مظاہرہ کرے اس کی فتح و کامرانی کو مالی و افرادی

Marfat.com

افلاس کبھی نہیں روک سکتا، خواہ وہ موقع بدر واحد کا ہو یا خندق وحنین کا، غزوہ مکہ کا ہو یا غزوہ تبوک کا، اللہ کی راہ میں پوری نیک نیتی اور کامل بے غرضی کے ساتھ قدم اٹھانا اہل اسلام کا فرض ہے انہیں منزل مقصود اور ہدف کامرانی تک پہنچانا اللہ تعالیٰ اپنے ذمے لے لیتا ہے اور یہ اس کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد۔

OOOO

Marfat.com

حکام و عمال کے نام ہدایات

کسی بھی مسلم ریاست میں خواہ کیسی ہی حکومت ہو، شخصی یا منتخب، بہر حال مسلمانوں کے امور کی نگہبان ہوتی ہے، ضروری نہیں کہ وہ اسلامی اصول سیاست اور شورائی اسلوب حکومت کے معیار پر اترتی ہو پھر بھی اس کا سربراہ اور عمال حکومت مسلمان ہوتے ہیں اور ان سے اسلامی اصول وضوابط کی توقع ایک فطری توقع ہے، اور کسی بھی مسلمان حکومت کے لئے خلافت راشدہ ایک ROLE MODEL کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ مسلمان عوام اپنے حکمرانوں کو ان احکام وہدایات کا پابند اور ان اسالیب وقوانین کا تابع دیکھنا چاہتے ہیں جو احکام خلافت راشدہ میں رائج اور جو قوانین اس دور میں مروج تھے، اس لئے ہمیں بار بار اس عہد سعید اور اس عہد کے حکمرانوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے مقام شکر ہے کہ تاریخ نے اس دور کے تمام آثار ونقوش کو محفوظ رکھا ہے، جس طرح کسی مسافر کے لئے کسی قافلے کے نقوش قدم رہنما کا کام دیتے ہیں اسی طرح خلافت راشدہ کے معمولات بھی مسلمان حکمرانوں کے لئے ''ہدایت نامہ'' کا درجہ رکھتے ہیں تاکہ کوئی حکومت اگر اپنے آپ کو ٹھیٹھ اسلامی اصولوں اور طریقوں پر استوار کرنا چاہے تو اس کے سامنے ایک ماڈل موجود ہو۔

حضرت عثمانؓ نے عہدہ خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے سول اور فوجی حکام کو جو ہدایات جاری کیں ان کا عکس جمیل آج بھی حکومتی اہلکاروں کے لئے اثاثہ دانش وبصیرت ہے آپ نے سول حکام کے نام لکھا ''اللہ تعالیٰ نے حاکموں کو حکم دیا ہے کہ وہ رعایا کے محافظ بنیں، امت کی نگہبانی کا فرض دیانتداری سے ادا کریں، صرف محصولات جمع کر کے خزانہ بھرنے والے نہ بنیں، اگر تم ایسا کرو گے تو حیا، امانت، اور وفا تم سے رخصت ہو جائیں گی، مسلمانوں کا جو حق تم پر ہے وہ انہیں دو اور جو تمہارا حق ان پر ہے وہ ان سے لو، تمہاری دوسری ذمہ داری اقلیتوں (ذمیوں) کی ہے تم ان کے حقوق ادا کرو، اور ان سے واجبات وصول

Marfat.com

کرو، اس کے بعد تمہارے معاملات دوسری قوموں سے ہیں (ان میں مخالف ملک بھی شامل ہیں) اس سے کیے گئے معاہدات کی پابندی کرو، تم اس روش پر قائم رہو جس پر عمرؓ چلتے رہے''

سول حکام کی طرح حضرت عثمانؓ نے فوجی سالاروں کو بھی اہم ہدایات دیں، ایک فرمان نامے میں کہا۔

''تم مسلمانوں کے حامی اور محافظ بنو، حضرت عمرؓ نے جو تمہیں ہدایات دی تھیں ان پر کار بندر ہو ہم ان ہدایات سے بخوبی آگاہ ہیں بلکہ ان ہدایات میں ہم سب کی مشاورت شامل تھی، تم ان میں اپنی طرف سے کوئی تغیر و تبدل نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسروں کو مقرر کر دے گا جو تم سے بہتر ہوں گے، تم اپنی حالت پر نظر رکھو، اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہو، اللہ نے میرے ذمے جو کام لگایا ہے میں اس کی دیکھ بھال کر رہا ہوں''

ایسی ہی نوعیت کا ایک ہدایت نامہ آپ نے محصلین (Tax Collectors) کو بھی بھیجا، ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا کیا، حق کے سوا اسے کوئی چیز پسند نہیں اس لئے حق کے ساتھ کوئی چیز وصول کرو ہمیشہ امانت اور دیانت اختیار کرو، ایسا نہ ہو کہ تم سب سے پہلے بددیانتی کرو، اس طرح تم بعد کے لوگوں کے لئے بددیانتی کی راہ کھول دو گے، اور ان کے گناہوں میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے، کسی یتیم اور معاہدہ کرنے والے پر ظلم نہ کرو جو ان پر ظلم کرے گا اللہ اس کا دشمن ہوگا''

اصلی بات یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا MOTTO تقویٰ (خداترسی) ہے اس لئے ہر خط، سرکلر اور ہدایت نامہ میں تقویٰ کی بات نمایاں نظر آتی ہے، خدا کی شرم اور اس کا خوف ہے جو فرد، سوسائٹی اور حکومت کو دیانتدار، ذمہ دار اور قانون شعار بنا سکتا ہے، اور تقویٰ بہت بڑی روحانی نفسیاتی اور داخلی طاقت ہے۔

OOOO

Marfat.com

میراث حکمت

دانش و حکمت کو ارباب نظر نے گمشدہ میراث کہا ہے، اور ایک قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منسوب ہے اور اس اضافے کے ساتھ کہ مومن کی گمشدہ میراث۔

جس طرح پانی، آگ، ہوا اور مٹی انسان کی ضرورت ہے، اور مختلف اقسام رزق اور اسباب پوشش و آسائش انسان کی زندگی کے لوازم ہیں اسی طرح دانش و حکمت بھی ناگزیر ہے اس فرق کے ساتھ کہ اول الذکر چیزیں بدن کے لئے اور آخر الذکر روح اور عقل کے لئے لازمی ہیں، چونکہ انسان صرف مادی عناصر کا مجموعہ نہیں بلکہ لطیف احساسات اور کیفیات کا حامل ہے اس لئے نہ اسے مادیت سے مفر ہے اور نہ حکمت سے گریز۔

کوئی دور ایسا نہیں گزار جو حکمت و دانش سے خالی ہو، البتہ ایک چیز ''دانش برہانی'' ہے اور دوسری ''دانش ربانی'' انبیاء علیہ اسلام دوسری دانش کے حامل، امین اور مبلغ تھے، لیکن دانش برہانی عام ہے وہ اس کو بھی میسر ہے جو کسی الہامی دین کا قائل ہو یا نہ، بعض افراد مختلف تہذیبوں اور ملکوں میں ایسے ہو گزرے ہیں جن کے بارے میں حتمی طور پر یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صف انبیاء کے لوگ تھے تاہم ان کی دانش پر روحانیت کی چھاپ بہت نمایاں نظر آتی ہے، ممکن ہے کہ وہ بھی اپنی اپنی قوم کی طرف بطور نبی مبعوث ہوئے ہوں لیکن اہل اسلام صرف انہیں انبیاؑ و رسل ماننے کے پابند اور مکلف ہیں جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی صراحت ملتی ہے، ایسے رجال حکمت اور اعیان دانش میں لقمان حکیم زرتشت، کنفیوشس، سقراط، دیو جانس کلبی، مانی، مہاویر، بدھ اور دوسرے بہت اعاظم و اکابر شامل ہیں۔

دنیا کی عظیم قدیم تہذیبوں میں چینی تہذیب کا ایک مستقل مقام ہے، اور اس قدیم تہذیب کو کنفیوشس سے بہت قریبی اور گہری نسبت ہے، اگرچہ اشتراکی چین میں اب

Marfat.com

کنفیوشس کا مقام وہ نہیں رہا لیکن تاریخ و تہذیب میں اس کی ایک مستقل جگہ طے ہو چکی ہے، فلسفہ و حکمت اور مذاہب عالم پر جب بھی اور جہاں بھی اور جس زبان میں بھی کوئی کتاب لکھی گئی یا اس بارے میں کوئی تحقیقی کام ہوا یا ہوگا وہ کنفیوشس کے نام مقام اور پیغام سے خالی نہیں ہوگا، اگرچہ اسے ایک مذہبی اور الہامی شخص کی حیثیت دی گئی مگر وہ خود اس کا دعویٰ کرتا ہوا کہیں نظر نہیں آتا، تاہم اس کی باتوں میں روحانیت، پاکیزگی اور اخلاقیات کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے، جو اس کے روحانی ہونے کا پتہ دیتی ہے، کنفیوشس قبل مسیح کی شخصیت ہے، وہ اگرچہ ایک سپاہی کا بیٹا اور متوسط درجے کا ملازم تھا مگر عین عالم شباب یعنی تیس برس کی عمر میں وہ اپنی دانش و حکمت کا لوہا ہر صغیر و کبیر سے منوا اور اپنا حلقہ ارادت و عقیدت بنا چکا تھا، حتیٰ کہ صدیوں کے حکمران اور بادشاہ تک اس سے مشاورت کی ضرورت محسوس کرنے لگے، وہ بعد میں گورنر بھی بنا۔

اس وقت کنفیوشس کی شخصیت کے بارے میں اور اس کی مذہبی و اعتقادی حیثیت کے متعلق تحقیق مطلوب نہیں بلکہ اس کی ان تعلیمات کی ایک جھلک دکھانا مقصود ہے جسے بلاشبہ میراث حکمت کہا جا سکتا ہے، اور یہی باتیں ہمیں اسلامی لٹریچر میں بھی بکثرت ملتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گمراہی اور بدعت کی دنیا میں ہزاروں اقسام ہیں اور ہر ملک اور علاقے میں الگ الگ شکلیں، مگر صداقت، راستی، رواداری، عدل، خداترسی، روحانیت، اخلاقی پاکیزگی پر مبنی تعلیمات ہر دور میں اپنے اندر ایک جوہری وحدت کی حامل رہی ہیں خواہ علاقہ مختلف ہو اور زبان جداگانہ۔

چین، ہند، ایران، یونان اور عرب ہر اعتبار سے مختلف علاقے ہیں، یہاں کے باشندے مختلف نسلوں کے ہیں، ہر ایک کی زبان مختلف ہے اور ان خطوں میں علم و تعلم کے ذرائع بھی مختلف اختیار کے گئے، لیکن حکمت و دانش تمام انسانوں کی مشترکہ میراث ہے یہ جو ایک ارشاد خداوندی ملتا ہے۔ لکل قوم ہاد (الرعد: 7)
''یعنی ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے'' تو اس کا مطلب یہی ہے کہ کوئی خطہ رشد و ہدایت سے خالی اور رہنماؤں سے محروم نہیں رہا، اور خالق کائنات نے اپنی رحمت سے کسی علاقہ و قوم کو بے بہرہ نہیں رہنے دیا، یہ تو ہے حقیقت ہے لیکن حق وہی ہے جس کی تصریح اللہ

Marfat.com

کے رسولوں نے اپنے اپنے دور میں کی ہے اور آخری نبی ﷺ نے جس کی تصدیق کی ہے یہ حرف آخر ہے۔

کنفیوشس کے اقوال دنیا کی بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں، لیکن کہیں تفصیل اور کہیں اختصار کے ساتھ، ان اقوال میں روشنی ہے، پاکیزگی ہے، گہرائی ہے اور دانائی ہے۔

آئیں کچھ دیر ہم صدیوں پہلے کے چین کے اس اخلاقی معلم اور حکیم ودانا کی صحبت میں بیٹھتے ہیں اور دل ودماغ کو علمی وروحانی غذا فراہم کرتے ہیں، کنفیوشس کا کہنا ہے۔

- میں روزانہ تین بار اپنے تین رویوں کا جائزہ لیتا اور محاسبہ کرتا ہوں، اولاً کیا میں دوسرے لوگوں کے کاموں سے جی تو نہیں چرا رہا؟ ثانیاً میں اپنے دوستوں سے فریب تو نہیں کر رہا؟ ثالثاً جو کچھ مجھے سکھایا گیا ہے میں اسے دوسروں تک پہنچانے میں ناکام تو نہیں رہا؟
- تیز طرار گفتگو اور دوسروں کو متاثر کرنے والے مصنوعی آداب سے کوئی شخص بڑا آدمی نہیں بن جاتا۔
- مجھے اس پر کوئی دلچسپی نہیں کہ کوئی شخص مجھے کیوں نہیں جانتا بلکہ مجھے یہ فکر رہتی ہے کہ میں اسے کیوں نہیں جانتا۔
- آج کے دور میں فرمانبردار انسان ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے والدین کی کفالت کر رہا ہو جب کہ یہی شخص اپنے کتوں اور گھوڑوں کی خوراک اور غذا کا بھی تو کفیل ہوتا ہے اصل چیز تو وہ فرق ہے جو وہ انسانوں اور جانوروں کے درمیان ملحوظ رکھتا ہے۔
- بڑا آدمی آفاقی نقطہ نظر رکھنے کی وجہ سے غیر جانبدار ہوتا ہے جب کہ چھوٹا آدمی جانبدار ہوتا ہے کیوں کہ وہ اس وسعت نظر سے محروم ہوتا ہے۔
- عظیم انسان کی تعریف یہ ہے کہ وہ پہلے خود کو دوسروں کے لئے مثال بناتا ہے پھر دوسروں کو اپنی پیروی کی دعوت دیتا ہے۔
- کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ علم کیا ہے؟ سنو علم ان دو باتوں کو جاننے کا نام ہے کہ تم کیا جانتے ہو؟ اور کیا نہیں جانتے ہو؟

Marfat.com

● میں کسی ایسے شخص کے ساتھ بات کرنا پسند نہیں کرتا جو اپنے سستے اور پھٹے ہوئے لباس پر شرمندہ ہو۔

● آپ کو کوئی اگر نہیں جانتا تو پریشان نہ ہو بلکہ خود کو اس قابل بنائیے کہ لوگ آپ کو جاننے لگیں۔

● جب تک آپ کے والدین زندہ ہیں آپ کو مقدس مقامات کی زیارت کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔

● بڑے آدمی گفتگو میں دھیمے مگر عمل میں بہت تیز ہوتے ہیں۔

● وہ شخص جو سچی زندگی بسر نہیں کرتا اگر وہ تباہ نہ ہو تو اسے اس کی خوش قسمتی ہی کہا جا سکتا ہے۔

● چیزوں کا خاموشی اور گہرائی سے مشاہدہ کرو، خواہ کتنا ہی پڑھ جاؤ، اشتیاق اور لگن کو برقرار رکھو۔

● میں پیدا ہوا تو مجھے علم نہ تھا کہ مجھے کیا پڑھنا ہے میں نے ماضی کا علم دریافت کیا اب مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا درس دینا ہے؟

● تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ میں تم سے کچھ چھپا رہا ہوں، میرا کوئی راز نہیں، میں کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس میں دوسروں کو شریک نہ کر سکوں۔

● بڑا آدمی نہ پریشان ہوتا ہے اور نہ خوفزدہ۔

● وہ جو صرف اپنی آسودگی کا خیال رکھتا ہے وہ آدمی نہیں کسی اور جنس سے تعلق رکھتا ہے۔

● بڑے آدمی کا ہر مطالبہ اپنی ذات سے ہوتا ہے اور چھوٹا آدمی ہمیشہ دوسروں سے مطالبات کرتا رہتا ہے۔

● بڑا آدمی وہ ہے جو اپنی خوبیاں دوسروں پر منتقل کرتا اور اپنی خامیوں اور کوتاہیوں سے دوسروں کو دور رکھتا ہے۔

● وہ شخص جو شجاعت کا رسیا ہے مگر غربت کی شکایت کرتا ہے وہ بدامنی کا موجب بنتا ہے۔

Marfat.com

- کیا یہ سچ نہیں ہے کہ بعض بیج پودا نہیں بن پاتے اور ضائع ہو جاتے ہیں اور کیا یہ بھی سچ نہیں کہ بعض پودے پھول سے محروم رہتے ہیں۔
- اگر آپ چھوٹی چیز پر نگاہ جمائے بیٹھے رہے تو آپ کبھی بڑی چیز نہیں پا سکیں گے۔
- بڑا آدمی تھوڑے لفظوں اور زیادہ کارناموں کا مالک ہوتا ہے۔
- میں ابھی تک ایسے شخص سے نہیں ملا جو اپنی خامیوں سے آگاہ ہو اور شرمندہ رہتا ہو۔
- وہ آدمی جو مختلف راستوں پر چل رہے ہوں وہ ایک دوسرے سے کیسے مشورہ کر سکتے ہیں؟
- ہماری عادات ہمیں ایک دوسرے سے دور لے جاتی ہیں، اور وہ لوگ جن میں کبھی کوئی تبدیلی نہ آئے یا تو ولی ہوتے ہیں یا پھر احمق۔
- ہم ہمیشہ دوسروں کے بارے میں اندازہ لگاتے رہتے ہیں کہ وہ کس قدر و قیمت کے مالک ہیں۔
- بڑا آدمی ہمیشہ مطمئن رہتا ہے اور چھوٹا شخص مستقل ڈانواں ڈول۔
- مری خواہش کوئی پوچھے تو میں کہوں گا کہ میں بوڑھوں کی خدمت اور حفاظت کروں، دوستوں کا وفادار رہوں اور چھوٹوں پر شفقت کروں۔
- کسی بیٹھے ہوئے پرندے پر تیر نہیں چلانا چاہیے۔

اگر ہم کنفیوشس کی شخصیت اور تعلیمات کا تفصیلی جائزہ لے کر اس کا خلاصہ نکالیں تو اس کی تعلیمات پانچ نکات پر مشتمل نظر آئیں گی، اور وہ بہت جامع اور قابل عمل محسوس ہوں گی۔

(1) ادب (لٹریچر)

(2) اخلاقی رویہ

(3) حسن اعمال

(4) وفاداری

(5) ذمہ داری

Marfat.com

وہ اپنے شاگردوں اور پیروکاروں میں پانچ اوصاف پیدا کرنے کے لئے کوشاں رہا
لہجے میں نرمی، بات میں صداقت، شخصیت میں وقار، مزاج میں عاجزی اور رویے میں
شفقت۔

OOOO

Marfat.com

سید ہجویریؒ کا نظریہ فقر و تصوف

برصغیر پاک و ہند کے نہایت ممتاز، معروف اور مقبول عوام و خواص بزرگان دین اور صوفیا میں حضرت سید علی ہجویریؒ کو ایک نمایاں اور محترم مقام حاصل ہے، تصوف پر لکھی جانے والی عربی زبان کی پہلی کتاب شیخ حارث المحاسیؒ کی ''کتاب الرعایہ'' ہے فارسی میں یہ تقدم اور فوقیت ''کشف المحجوب'' کو حاصل ہے جو حضرت مخدوم ہجویری کی تصنیف ہے اور تصوف کے مآخذ میں اس کتاب کو سند کا درجہ حاصل ہے۔ جس طرح حضرت حسن بصریؒ سے لے کر زمانہ حال کے کسی صاحب علم اور باعمل صوفی نے فقر و تصوف پر اپنا اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے اور ہر نقطہ نظر قرآن و حدیث کی روح کے قریب تر ہے، اسی طرح صاحب کشف المحجوب نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب میں اس پر بحث کی ہے اور بڑے خوبصورت اور روح پرور پیرائے میں فقر کی وضاحت اور تصوف کی تشریح کی ہے۔

عرف عام کے مطابق اور لغوی مفہوم کے اعتبار سے تو فقر محتاجی، غربت اور تنگدستی کا مترادف ہے جب کہ صوفیاء کے ہاں یہ ایک ایسا مقام ہے کہ جب اس پر کوئی بندہ فائز ہوتا ہے تو اس کے نزدیک سونے کی ڈلی اور مٹی کے ڈھیلے میں چنداں فرق نہیں رہتا اور وہ خدا کا اس قدر محتاج بن جاتا ہے کہ ساری دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اسی طرح تصوف کے بارے میں عام خیال یہی ہے کہ یہ درود و وظائف، چلہ کشی، تسبیح گردانی اور کشف و کرامت کے چرچے کا نام ہے، جب کہ قدیم اور حقیقی صوفیاء کے نزدیک تصوف ۔۔۔ مال ۔۔ نہیں ایک ۔۔۔ حال ۔۔۔ ہے جو بندے پر وارد ہوتا ہے جس سے اس کے ظاہر و باطن کا تضاد دور ہو جاتا ہے اور قلب و دماغ تزکیہ و طمانیت کا مرکز بن جاتا ہے۔

مخدوم علی ہجویری نے فقر و تصوف کو کس نظر سے دیکھا! یہ بیان کرنے سے پہلے چند آئمہ تصوف کی آراء سامنے آ جائیں تو بات زیادہ واضح اور وقیع ہو جائے گی۔

Marfat.com

شیخ ابوبکر کتانی فرماتے ہیں:

"جب انسان حقیقی طور پر اللہ کا محتاج ہو جاتا ہے تو پھر وہ حقیقی طور پر "غنی باللہ" ہو جاتا ہے"

شیخ ابوبکر وراق نے بڑی نفیس اور خوبصورت بات کہی ہے فرماتے ہیں۔

"دنیا و آخرت دونوں جہاں میں فقیر کے لئے خوشخبری ہے لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا اس لئے کہ دنیا میں اس سے بادشاہ خراج نہیں لیتا اور کل قیامت میں خدا اس سے حساب نہیں مانگے گا"۔

شیخ ابوالقاسم القشیریؒ کا کہنا ہے۔

"مجھے اگر اللہ تعالیٰ غنی کر دے تو میں غافل ہونے کے بجائے اس کا شکرادا کروں گا اور اگر وہ مجھے فقیر بنا دے تو حریص اور منہ پھیرنے والے کے بجائے میں صبر کروں گا"

یہ تو فقر اور فقیر کے بارے میں صوفیا و کبار کی چند آراء تھیں، اب ملاحظہ کیجئے کہ تصوف کیا ہے؟

شیخ ابوالحسین نوریؒ کہتے ہیں۔

"تصوف کیا ہے"؟ تمام خواہش نفس کا ترک کر دینا۔

شیخ ابوعطاء کا کہنا ہے۔

"حق تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے"

شیخ ابوعلی قزوینیؒ کی رائے ہے۔

"تصوف اچھے اخلاق کو کہتے ہیں"

شیخ سمنونؒ کی فلسفہ آمیز رائے ملاحظہ کیجئے۔

"تصوف کیا ہے؟ تصوف یہ ہے کہ تو کسی چیز کا مالک نہ بنے اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک بنے"

حضرت شیخ ابوعلی رودباریؒ کا روح پرور جملہ

"خالی ہاتھ دل کی خوشی کا نام تصوف ہے"

حضرت سید علی ہجویری نے اپنی لازوال اور شہرہ آفاق کتاب "کشف المحجوب" میں

Marfat.com

اثبات فقر کے عنوان سے باقاعدہ ایک باب قائم کیا اور تصوف پر بحث کی ہے۔

فقیر کون ہے؟ کے عنوان کے تحت آپ لکھتے ہیں۔

''فقیر وہ ہے جس کی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو اور کسی چیز کے حاصل ہونے سے اسے کوئی فرق نہ پڑے وہ اسباب دنیا کے موجود ہونے سے اپنے آپ کو غنی نہ سمجھے اور ان کے نہ ہونے سے اپنے آپ کو محتاج نہ جانے، اس کی نظر میں اسباب کا ہونا نہ ہونا برابر ہو''

آپ نے آگے چل کر ایک بادشاہ اور ایک درویش کا مکالمہ نقل کیا ہے فرماتے ہیں۔

''ایک درویش سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی بادشاہ نے کہا مجھ سے کچھ مانگو، درویش نے کہا میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ مانگنا اپنی توہین سمجھتا ہوں، بادشاہ کو اس جواب پر قدرے غصہ اور تعجب ہوا اور پوچھا، جناب میں آپ کے غلاموں کا غلام کیسے ٹھہرا؟ اس درویش نے بڑے اطمینان سے جواب دیا، حرص اور امید یہ دونوں میرے غلام ہیں اور تم حرص اور امید کے غلام ہو''

آپؒ نے ایک جگہ بڑی معنی آفرین اور خوبصورت بات ارشاد فرمائی ہے، کشف المحجوب میں اثبات فقر کے باب میں رقمطراز ہیں۔

''امراء صاحب صدقہ ہوتے ہیں اور فقراء صاحب صدق، اور صدقہ ہرگز صدق کے برابر نہیں ہوسکتا پس درحقیقت فقر ایوبؑ غنائے سلیمانؑ سے کسی صورت کم نہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو صبر کا عظیم مظاہرہ فرمانے پر ''نعم العبد'' یعنی بندہ خوب کہا ٹھیک اسی طرح سلیمانؑ کو ملک و حکومت ملنے پر بھی ''نعم العبد'' فرمایا جب خدائے رحمان کی رضا حاصل ہوگی تو فقر ایوبؑ اور غنائے سلیمانؑ میں کچھ فرق نہ رہا''۔

تصوف کے حوالے سے بھی کشف المحجوب میں بڑی مفصل بحث اور پھر کچھ رہنمائی ملتی ہے آپؒ نے اہل تصوف کی تین اقسام بیان کی ہیں (1) صوفی (2) متصوف (3) مستصوف ان کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہو کر حق کے ساتھ باقی ہو گیا ہو، طبعی خواہشات اور ان کے تصرف سے آزاد ہو کر حقیقت الحقائق کے ساتھ مل گیا ہو۔

متصوف وہ ہے جو مجاہدے کے ذریعے اس مقام کے لئے کوشاں ہے اور راہ حقیقت

Marfat.com

کی تلاش میں اپنے آپ کو صوفیاء کے طریقے پر کار بند رکھتا ہو۔

متصوف وہ ہے جو دنیوی مال و متاع کے حصول اور جاہ و منصب کی لالچ میں صوفیاء کی نقالی کر رہا ہو اسے نہ تو اوپر والے دونوں گروہوں سے تعلق ہوتا ہے اور نہ اسے طریقت کے بارے میں کوئی آگہی حاصل ہوتی ہے۔ مشائخ کرام نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے متصوف صوفیاء کے نزدیک ذباب یعنی مکھی کی مانند ہے اور غیر صوفیاء (عوام) کے لئے وہ ذیاب یعنی بھیڑیے کی طرح ہے۔

الغرض صوفی ''صاحب اصول'' ہوتا ہے متصوف ''صاحب اصول'' اور مستصوف ''صاحب فضول'' یعنی راہ حق سے جدا ہوتا ہے۔

OOOO

خدا اور بندہ

دنیا جب بھی کبھی اخلاقی سیاسی اور معاشی بحران کا شکار ہوئی اور اب بھی اس بحران سے چھٹکارا نہیں پا سکی، تو اس کی بیسیوں وجوہات گنوائی جا سکتی ہیں، لیکن اس کی سب سے بنیادی اولین اور جوہری وجہ یہ ہے کہ انسان خدا کی ''خدائی'' اور بندے کی ''بندگی'' کی حدود فراموش کر دیتا ہے یہیں سے یہ سارا بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس کے اثرات تمام شعبہ ہائے زندگی میں ظاہر ہوتے ہیں، واضح سی بات ہے کہ جب انسان یا تو خدا کو دنیا کے نظام سے الگ اور لاتعلق قرار دے دیتا ہے یا پھر وہ خود اپنی حیات دوسروں کے معاملات اور نظام کائنات کا خود مالک اور حاکم بن بیٹھتا ہے تو سب کچھ درہم برہم ہو جاتا ہے۔

جب انسان اپنی زشت وخوب کا خود فیصلہ کرنے لگے، اجتماعی امور میں اپنی رائے حرف آخر سمجھ لے اور رزق کی تقسیم کا انتظام خود سنبھال لے تو گویا اس نے اپنے خدا ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ انسانی سوسائٹی بگڑتی اس وقت ہے جب انسان خدا بننے کے جتن شروع کر دے۔

جب کچھ لوگ خدا بنیں گے تو لازماً وہ دوسرے لوگوں کو اپنا بندہ بنانے کی کوشش کریں گے لوگوں کو اپنی عبادت پر مجبور کریں گے، اپنی اطاعت کا مطالبہ کریں گے عزت و ذلت کے فیصلے خود کرنے لگیں گے، رزق کا پورا کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اور اپنی ہر بات کو قانون کا درجہ دیں گے، حالانکہ یہ سارے اوصاف اور حقوق خدا کے ہیں اور اسی کو زیبا ہیں۔

اسی بنیادی بات کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے ''اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتا تو نظام کائنات تہہ و بالا ہو جاتا ہے'' (الانبیاء:22)

تمام رسولوں اور الہامی کتابوں نے انسانوں کو یہی سکھانے اور بتانے کی کوشش کی، کہ عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیے، غیر مشروط اطاعت کا مطالبہ صرف اللہ کا حق ہے عزت و

Marfat.com

ذلت کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے رزق پیدا کرنا، اس کے وسائل مہیا کرنا اور اسے بانٹنا اللہ کے اختیار میں ہے اللہ ہی معبود واحد اور مطاع حقیقی ہے وہی معز اور مذل ہے وہی رزاق اور ذوالقوۃ المتین ہے خلق اور امر دونوں اللہ کے ہیں جس نے دنیا پیدا کی جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا جس نے انسان کو ارادہ واختیار کے شرف سے نوازا، وہی حکم دینے کا مجاز بھی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ مخلوق خدا کی ہو اور حکم کسی اور کا چلے؟ زندگی خدا دے اور رزق کا انتظام کوئی اور اپنے ہاتھ میں لے لے؟ فجور وتقویٰ کا شعور خدا دے اور زشت وخوب کا فیصلہ انسان خود کرنے لگے؟ یہی دوئی ہے اور سارے فساد کی جڑ اور یہی شرک ہے اور سارے ظلم اور بگاڑ کا سرچشمہ۔

انسان نے جب بھی حدود بندگی پھلانگ کر حدود خدائی میں داخل ہونے کی کوشش کی انفرادی واجتماعی نظام ہل کر رہ گیا خواہ عہد قدیم کا فرعونی وقارونی نظام ہو یا دور جدید کا سیکولر فلسفہ حیات وسیاست۔

جب بھی کسی صحابی، سفیر اسلام اور مبلغ دین کو کسی بھی بادشاہ سے ہمکلام ہونے کا موقع ملا، خواہ وہ قیصر ہو یا مقوقس مصر اس نے یہی کہا ''اللہ نے ہمیں اس بات پر مامور کیا ہے کہ ہم انسانوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں''

بندہ بندہ ہی رہتا ہے خواہ وہ فرعون جیسا بادشاہ اور قارون جیسا دولت مند بن جائے اور میدان تزکیہ وتقویٰ کا جنیدؒ و بایزیدؒ کیوں نہ ہو جائے پھر بھی بندہ ہی رہتا ہے بندے کی شان بندگی ہی میں ہے شیخ ابن العربیؒ نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔

''رب رب ہی رہتا ہے خواہ زمین پر اتر آئے اور بندہ بندہ ہی رہتا ہے خواہ آسمان پر پہنچ جائے'' جب بندے کو ہر حال میں بندہ ہی رہنا ہے تو کیوں نہ وہ فرش پر رہے اور اسے عرش پر جانے کی کیا ضرورت ہے؟

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

OOOO

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ خلافت

سر ولیم میور مشہور مگر متعصب قلم کار اور دانشور ہے اور اسلام کے بارے میں اس کی کج فکری اور اہل اسلام کے متعلق اس کی منفی رائے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، مگر بایں ہمہ وہ لکھتا ہے۔

''اگرچہ ابوبکرؓ کا دور خلافت مختصر تھا لیکن خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد اسلام کسی اور شخص کا اتنا ممنون احسان نہیں جتنا ابوبکرؓ کا ابوبکرؓ کا، ان پر ایمان خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلوص وصداقت کی ایک مضبوط شہادت ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اگر (معاذ اللہ) ایک جھوٹے نبی کی حیثیت سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا ہوتا تو وہ ایک ایسے شخص کو اپنا دوست اور معتقد کبھی نہ بنا سکتے جو نہ صرف ذہین، زیرک اور دانشمند تھا بلکہ اس کی ساری زندگی خلوص، سلامت روی اور اصول پسندی کا مظہر تھی''۔

یہ اس شخص کا حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں خراج عقیدت و سپاس ہے جسے تاریخ اسلام اور شخصیات اسلام سے بوجوہ کد اور عداوت رہی اور اس نے اپنی تحریوں میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر چھینٹے اڑائے، حضرت ابوبکرؓ جانشین رسولؐ اور پہلے خلیفۃ المسلمین ہیں، وہ مملکت اسلامیہ کے سربراہ تو بنے مگر شہنشاہ نہیں، وہ چونکہ کسی فرعون، قیصر، خاقان، خسرو اور کسریٰ کے جانشین نہیں بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تھے، اس لئے انہوں نے بادشاہوں اور آمروں کے انداز حکومت کو اپنے سامنے نہیں رکھا بلکہ اسوہ رسول کو اپنے لئے ROLE MODEL بنایا اور ایک مشورہ پسند، ذمہ دار، جوابدہ، خداترس، خادم قوم اور پابند قانون حکمران کے طور پر حکومت کی، اس حکومت کی امتیازی شان شوکت وسطوت اور نخوت وجلالت نہیں بلکہ مشاورت، نصیحت، دیانت اور خدمت تھی، ان کے نزدیک

Marfat.com

حکومت اور دیانت ہم معنی اور خلافت اور خدمت مترادف تھی۔

بلاشبہ فرانس کا جمہوری اور روس کا اشتراکی انقلاب تاریخ کا اہم واقعہ اور سنگ میل ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دونوں انقلابات کچھ ہی عرصے بعد اپنے منشور اور وعدوں سے انحراف کر گئے اس کی بدیہی وجہ برسر اقتدار آنے والے افراد کا محدود وژن اور کمزور کردار تھا ان لوگوں نے اقتدار کو وسیلہ جاہ ووقار اور حکومت کو عظمت اور آمریت کا زینہ سمجھا تھا، نپولین کچھ ہی دنوں بعد مشہور عالم نعرے۔۔۔آزادی، مساوات، انسانی برادری۔۔۔ کو ذاتی آمریت میں بدل دیتا ہے اور سٹالن اشتراکیت کو فسطائیت کا چولا پہنا دیتا ہے، لیکن جانشین رسولؐ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی پہلے دن جو اپنا منشور پیش کرتا اور عوام کے سامنے خطبہ خلافت دیتا ہے پورے دور حکومت میں اپنے ایک ایک عہد اور حرف کی پاسداری کرتا ہے، اس لئے اسلام میں حکومت شخصی ملکیت نہیں بلکہ الٰہی امانت ہے، آپ کے خطبہ خلافت کا ایک روشن اور یادگار اقتباس۔

''اے لوگو! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے دن ہو یا رات، کبھی امارت کی ہوس نہیں کی، نہ میرا اس طرف میلان تھا، میں نے خفیہ یا علانیہ کبھی اللہ سے یہ دعا نہیں کی کہ وہ مجھے امارت بخشے، لیکن مجھے اس بات کا یقیناً اندیشہ تھا کہ کہیں (اس نازک موقع پر) کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے حقیقت میں مجھ پر بڑی ذمے داری ڈال دی گئی ہے جس سے عہدہ برآ ہونا اللہ کی توفیق وتائید کے بغیر میری طاقت سے باہر ہے، میں چاہتا تھا کہ آج میری جگہ پر انسانوں میں سے طاقتور ترین انسان ہوتا، اب اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے تمہارا امیر منتخب کرلیا گیا ہے اگرچہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں ٹھیک چلوں تو میری مدد کرو، اگر میں غلط چلوں تو مجھے ٹھیک کر دو، سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت، تم میں سے کمزور میرے نزدیک طاقتور ہوگا تاوقتیکہ میں توفیق الٰہی سے اس کے حقوق نہ ادا کردوں، اور تم میں سے طاقتور میرے نزدیک کمزور ہوگا حتیٰ کہ توفیق الٰہی سے میں اس سے وہ کچھ وصول نہ کر لوں جو اس کے ذمے واجب الادا ہے، کسی قوم نے راہ خدا میں جہاد ترک نہیں کیا مگر یہ کہ اللہ نے اسے ذلیل کر دیا، اور جو قوم بے حیائی اور بدکاری کے افعال کی مرتکب ہوتی ہے وہ

Marfat.com

یقیناً عذاب الٰہی کی مستحق ہوتی ہے، جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو، اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں اور اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ اللہ تم پر اپنا رحم کرے"۔

OOOO

Marfat.com

حضرت عمرؓ کا خطبہ خلافت

جہانگیری بہ خاک ما سرشتند
امامت در جبین ما نوشتند
درون خویش بنگر آں جہاں را
کہ تخمش در دل فاروقؓ کشتند

(حکمرانی ہماری مٹی کی سرشت میں ہے، امامت ہماری پیشانی پر لکھی ہوئی ہے، اپنے اندر اس جہاں کو دیکھو جس کا بیج فاروق اعظمؓ کے دل میں بویا گیا)

اوپر کے یہ الفاظ ہدیہ سپاس ہیں فیلسوف مشرق علامہ اقبالؒ کی طرف سے بارگاہ فاروقیؓ میں۔لفظ کا ایک ایک شوشہ حضرت عمرؓ کی شخصی جلالت اور ان کی پرشکوہ امارت پر دلالت کررہا ہے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کرکے امت پر احسان عظیم فرمایا اور حضرت عمرؓ نے اپنی نامزدگی اور انتخاب صدیقی کو یوں سچ کر دکھایا کہ اسلام کی عظمت اور اہل اسلام کو سطوت کی بلندیوں پر لے گئے، جب کوئی شخص اقتدار کے منصب پر فائز ہوتا ہے تو یقیناً اس کے سامنے کچھ مقاصد ہوتے ہیں، کچھ اہداف پیش نظر رکھتا ہے اور کچھ نظریات اس کی فکر ونظر میں پیوست ہوتے ہیں جن کا برملا اور برجستہ اظہار وہ اپنے پہلے خطاب میں کرتا ہے جس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ امیر وحاکم بننے والا شخص آئندہ کیا کرنے والا ہے اور اس کا اسلوب حکومت کیسا ہوگا؟ وہ انفرادی مزاج اور اجتماعی سوچ کے حوالے سے کیسا حکمران ہے؟ چنانچہ پہلا رسمی خطاب دراصل منشور حکومت ہوتا ہے آیئے دیکھئے فاتح ایران وروم اور صاحب عزیمت وجلالت حضرت عمرؓ نے پہلا خطبہ خلافت کیا ارشاد فرمایا، حضرت ابوبکرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں منبر کا پہلا زینہ چھوڑ کر دوسرے زینے پر کھڑے ہوتے تھے اور حضرت عمرؓ احترام صدیقیؓ میں دوسرا زینہ چھوڑ کر تیسرا یعنی

Marfat.com

آخری زینہ استعمال کیا آپ نے ایک بہت بڑے اجتماع سے پہلا خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

''لوگو! میں تمہی میں سے ایک انسان ہوں اگر مجھے خلیفہ رسولؐ کی نافرمانی گوارا ہوسکتی تو میں ہرگز یہ ذمہ داری نہ لیتا، مجھے معلوم ہے لوگ میری سختی سے ڈرتے اور میری دوستی سے لرزہ براندام رہتے ہیں جو کوئی بھی یہ احساس رکھتا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف صحبت حاصل رہا، میں آپ کا ادنیٰ مطیع اور خادم تھا اور کوئی بھی نرمی اور رحمدلی میں آپ تک نہیں پہنچ سکتا، بارگاہ رسالت میں میری حیثیت ایک برہنہ تلوار کی تھی۔ حضورؐ جب چاہتے مجھے نیام میں رکھ لیتے اور جب چاہتے اذن کارعطا فرما دیتے، میں آپ کی خدمت میں اسی طرح رہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاں یاد فرمالیا آپ آخر وقت تک مجھ سے راضی رہے اس پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں، اس کے بعد مسلمانوں کی زمام کار ابوبکرؓ کے سپرد کی گئی جن کے تحمل اور نرمی سے کسی کو انکار نہیں اور میں بھی ان کا اطاعت کیش، مددگار اور معاون رہا میں اپنی سختی کو ان کی نرمی میں سمودیتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہم سے جدا کر دیا وہ دم واپسیں تک مجھ سے خوش رہے اور اے لوگو اب تمہارے معاملات کی ذمے داری میرے کندھوں پر ہے دراصل یہ میری تمہارے ذریعے اور تمہاری میرے ذریعے آزمائش ہے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میری سختی اب نرمی میں بدل گئی ہے لیکن ان لوگوں کے لئے بدستور قائم ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، جو لوگ امن وسلامتی سے رہتے اور ایمانی جرات اظہار رکھتے ہیں ان کے لئے میں بہت نرم ہوں، اگر کوئی کسی پر زیادتی کرے گا تو میں اس وقت تک اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر نہ لگادوں اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں، تا آں کہ وہ حق کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔ لوگو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں یہ مجھ سے ضرور حاصل کرو، مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو اپنا حق لے کر جائے، مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ میں تم سے خراج اور غنیمت سے زیادہ تمہارے مال سے کچھ نہ لوں، مجھ پر تمہارا حق یہ ہے کہ میں تمہارے عطیات و وظائف (ریونیو) میں اضافہ اور تمہاری سرحدوں کی حفاظت کروں، اور تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ جب تم جنگ پر جاؤ تو میں ایک باپ کی طرح

Marfat.com

تمہارے اہل وعیال کی نگہداشت کروں، اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، مجھ سے درگزر کرکے میرا ہاتھ بٹاؤ، نیکی کی تعمیل اور برائی سے گریز میں میری مدد کرو، اور تمہاری جو خدمات اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہیں ان کے متعلق مجھے تنبیہ اور نصیحت کرو، میں تم سے مخاطب ہوں اور اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہوں"۔

OOOO

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کا خطبہ خلافت

تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفانؓ جنہیں ''ذوالنورین'' کا روشن اور لافانی لقب حاصل ہے، پہلی اسلامی ریاست کے تیسرے حکمران اور اہم ستون ہیں، حیا اور سخاوت کے جوہر سے آراستہ یہ شخصیت اپنے دھیمے مزاج کے لحاظ سے مشہور ہے، آپ کا انتخاب اس چھ رکنی اعلیٰ سطحی کمیٹی کے ذریعے عمل میں آیا جسے حضرت عمرؓ نے قائم فرمایا تھا، یہ مجلس مشاورت یا انتخابی کونسل جماعت صحابہ کے انتہائی قابل، سینئر اور جہاندیدہ افراد پر مشتمل تھی اور یہ چھ کے چھ افراد عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں جنہیں زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مغفرت اور جنت کی بشارت حاصل ہو گئی تھی، اس وقت عشرہ مبشرہ میں سے سات حضرات زندہ تھے، اور تین دنیا میں موجود نہیں تھے ان میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ شامل ہیں جو چھ ارکان اس انتخابی مجلس میں شامل کئے گئے وہ ہیں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت زبیر بن العوامؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ساتویں صحابی حضرت سعید بن زیدؓ چونکہ حضرت عمر کے قریبی رشتے دار تھے اس لئے انہوں نے آپ کو اس مجلس میں نہیں رکھا، یہ چھ اصحاب رسولؐ اپنی اپنی جگہ بڑے محترم، معتمد، اور خصوصی شرف کے حامل تھے، حضرت عثمانؓ کو ''ذوالنورین'' کا اعزاز حاصل ہے حضرت علیؓ باب مدینۃ العلم، حضرت زبیرؓ حواری رسول حضرت عبدالرحمان بن عوف ''ثالث بالخیر'' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ''شاہ سوار اسلام'' اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ ''صاحب احد'' جیسے عالی شان القابات وخطابات کے حاملین ہیں۔

بہر کیف جب حضرت عثمانؓ کے نام پر بطور خلیفۃ المسلمین اتفاق رائے ہو گیا تو آپ

بجائے خوش اور ہشاش بشاش ہونے کے آئندہ پیش آنے والی ذمہ داریوں کے احساس کے باعث اداس اور افسردہ ہو گئے اور ہر ذمہ دار اور اسلامی شعار کے حامل حکمران کا یہی شیوہ اور انداز ہونا چاہیے، آپ نے منصب خلافت سنبھالتے ہی حاضرین سے رسمی خطاب فرمایا، خلفاراشدین کے ان خطبات کی آج بھی پہلے کی طرح اہمیت اور افادیت ہے اور ان کا ذکر مکرر اس لئے ضروری ہے تاکہ ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے جان و آبرو اور مال و اسباب کا امین اور نگہبان بنایا جائے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس وادی میں قدم رکھ رہا ہے اور کون سی ذمے داری اپنے سر لے رہا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

''اے لوگو! تم اپنے آپ کو قلعہ بند گھروں میں محفوظ سمجھتے یہ دنیا فانی ہے چند روزہ زندگی میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے کی کوشش کرو، کیوں کہ تمہیں صبح یا شام بہر حال کوچ کرنا ہے، تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے، گزرے ہوئے لوگوں کے حالات و واقعات سے عبرت حاصل کرو، غفلت شعار نہ بنو خدا تم سے غافل نہیں ہے۔ کہاں ہیں وہ اہل دنیا جنہوں نے بڑی شاندار عمارتیں بنائیں، اور دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوزی میں لگے رہے، کیا دنیا نے انہیں اپنے سے دور نہیں پھینک دیا؟ تم بھی دنیا کو وہیں پھینک دو، جہاں اللہ نے اسے پھینکا ہوا ہے، تم دنیا کے بجائے آخرت کے طلبگار بنو''۔

یہ خطبہ خلافت بتا رہا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک خلافت لطف و لذت کا نہیں بلکہ ذمہ داری اور امانت کا نام ہے اس خطبہ سے ان کے ذہن اور مزاج کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ دنیا میں حاکم بن کر رہنا چاہتے تھے یا قوم کے خادم بن کر، جو شخص ایک بہت بڑی مملکت کا اقتدار سنبھالتے ہی دنیا کی فنا پذیری عیش کوشی سے نفرت اور آخرت طلبی کی بات شروع کر دیتا ہے یقیناً اس کے ہاتھ سے نہ تو کسی پر ظلم ہو سکتا ہے نہ وہ اموال مسلمین میں خیانت کر سکتا ہے اور نہ آخرت کے مقابلے میں دنیوی شان و شوکت اور مال و زر کو ترجیح دے سکتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ قبول اسلام کے وقت عرب کے چند اغنیاء اور مالداروں میں شمار ہوتے تھے لیکن ان کا پہلا سال اسلام اور اہل اسلام کے لئے وقف رہا دوسرے لوگ جب اقتدار سنبھالتے ہیں تو کنگال سے خوشحال ہو جاتے ہیں، مگر حضرت عثمانؓ

Marfat.com

اقتدار سنبھالنے کے بعد نسبتاً کم مال دار رہ جاتے ہیں، اور اپنے خطبہ میں جو دنیا سے بے رغبتی کا اظہار فرمایا اسے فی الواقع جامہ عمل پہنا کر اپنی بات کی لاج رکھتے ہیں سچ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے جنت میں میرا رفیق عثمانؓ ہوگا''۔

OOOO

Marfat.com

حضرت علیؓ کا خطبہ خلافت

حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد بڑے ہنگامہ خیز اور شورش زدہ ماحول میں حضرت علیؓ کو منصب خلافت سنبھالنا پڑا، ان پر پیچ اور اضطراب انگیز حالات میں خلافت پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کی مالا تھی دنیا پرست حکمرانوں کے لئے تو اقتدار ہر حال میں مرغوب اور عزیز ہوتا ہے۔ نہ وہ ماضی سے عبرت اور حال سے حکمت کشید کرنے کے لئے اہل ہوتے ہیں اور نہ مستقبل کی ذمہ داریوں سے آگاہ و آشنا، لیکن جس شخص کو برسوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت، آپ کی صحبت و تربیت اور آپ کے مدرسۂ فیض سے دانش و حکمت حاصل ہوئی ہو وہ ہر حال میں حکومت کو اپنے ذمے مسلمانوں کی امانت سمجھتا ہے حضرت عثمانؓ کے آخری ایام خلافت میں چونکہ نظم و نسق میں ایک گونہ خلل آ گیا تھا اس سے لوگوں کے مزاج میں تبدیلی کا آنا فطری بھی ہے اور معمول کے عین مطابق بھی، حضرت علی کی دور رس نگاہیں اس تغیر کو دیکھ رہی تھیں جو واقع ہو چکا تھا چنانچہ آپ نے خلافت سنبھالتے ہی جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا وہ اس صورت حال کی پوری پوری عکاسی کر رہا ہے یوں تو حضرت علیؓ علم و خطابت کے میدان کے مانے ہوئے شہسوار اور وادی حکمت و دانش کے کامیاب سیاح ہیں آپ کے مکالمات مکتوبات اور خطبات عربی ادب کا بیش بہا حصہ اور عالمی ادب کا ناقابل فراموش خزینہ ہیں، اور ''نہج البلاغہ'' کو دنیائے دین و ادب اور علم و حکمت اور سیاست و حکومت میں ایک خاص اعتبار اور وقار حاصل ہے، اس کتاب میں علمی جواہر پارے، سیاسی باریکیاں، حکومتی فیصلے، اور دین و دانش کی اعلی حکمتیں ملتی ہیں، لیکن اس وقت حضرت علیؓ کے دوسرے مواقع پر پیش کردہ خطبات نہیں بلکہ وہ پہلا خطبہ خلافت ہے، جو حضرت علی کے انداز حکومت کو سمجھنے میں بہت مدد دیتا ہے۔

آپؓ نے اس انتہائی نازک موقع پر اپنے پہلے خطاب میں فرمایا۔

Marfat.com

''لوگو! میں تم ہی میں سے ایک آدمی ہوں، جو حقوق تمہارے ہیں وہی میرے لئے بھی ہیں اور جو ذمہ داریاں تم پر عائد ہوتی ہیں وہی مجھ پر بھی عائد ہوتی ہیں، میں تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلاؤں گا، اور مجھے جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے انہیں تم پر نافذ کروں گا۔

لوگو! آگاہ رہو ایسا نہ ہو کہ کل تم میں سے وہ لوگ جن پر دنیا پوری طرح چھا گئی ہے، اور وہ عمارتوں کے مالک بنے، جن لوگوں نے نہریں نکالیں، گھوڑوں پر سواری کی، اور اپنے لئے ملازم اور خدمت گار مقرر کئے، انہیں جب میں ناجائز عیش وعشرت سے محروم کردوں اور ان کو ان کے اصل حقوق وحدود میں لاؤں تو وہ کہنے لگیں کہ آپ نے ہمیں ہمارے حقوق سے محروم کردیا حالانکہ یہ ان کے حقوق نہیں یہ مراعات ہیں جو ان لوگوں نے از خود اپنے لئے حاصل اور مقرر کرلیں۔

سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی مہاجرین اور انصار میں سے جو کوئی صحبت رسولؐ کی وجہ سے خود کو دوسروں پر فضیلت دیتا ہے وہ جان لے کہ یہ فضیلت کل کو اللہ کے حضور اس کے کام آئے گی، اور وہی اس کا اجر وثواب دے گا۔

آگاہ رہو جس شخص نے بھی خدا اور رسولؐ کی دعوت پر لبیک کہی، اور ہمارے دین میں داخل ہوا وہ اسلام کے دیئے ہوئے تمام حقوق کا مستحق اور اسلام ہی کی مقرر کردہ حدود کا پابند ہو گیا تم سب اللہ کے بندے ہو اور یہ مال بھی اللہ کا مال ہے، یہ تمہارے درمیان (ضروریات کے مطابق) برابر تقسیم کیا جائے گا، اس سلسلے میں کسی کو کسی پر کوئی فوقیت اور فضیلت حاصل نہیں ہوگی (یعنی دینی فضیلت کے باعث حصہ زیادہ نہیں ملے گا اس کا اجر آخرت میں محفوظ ہے یہاں صرف ضروریات کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ کون کتنے مال کا حقدار ہے؟)

البتہ متقی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین اجر محفوظ ہے اور وہ کسی کمی کے بغیر اپنا اجر ضرور پائیں گے''۔

ہم نے دیکھا ہے کہ چاروں خلفا راشدین نے اپنے اپنے انداز میں مسائل و معاملات کو سامنے رکھ کر خطبہ خلافت ارشاد فرمایا، اور اس وقت جو حالات تھے ان کی روشنی

Marfat.com

میں اپنا منشور پیش کیا مگر حکومت کے شوق کی سب نے نفی کی، دنیا سے بے رغبتی کی سبھی نے بات کی، تقویٰ کو اپنا ماٹو بنایا ور آخرت کی کامیابی کو اپنا آخری اور حتمی ہدف قرار دیا، اور یہی ایک اسلامی حکمران کی شان اور انفرادیت ہے۔

OOOO

Marfat.com

بعثت سے قبل انسانی معاشرہ

بعثت سے پہلے انسانی معاشرہ جس قدر زنگ آلود اور نفرت انگیز بن چکا تھا اسے قرآن مجید نے صرف ایک جملے میں اس حسن اور اعجاز سے بیان فرمایا ہے، کہ تاریخ عالم کی ساری تفصیل اس میں سمٹ آئی ہے،

ظہر الفساد فی البر و لبحر بما کسبت ایدی الناس

یعنی لوگوں کے اپنے کرتوتوں سے خشکی اور تری میں فساد برپا ہو چکا تھا، بت پرستی غلامی، مکروہ رسم و رواج، اور قانون شکنی یہ اس وقت کی غالب تہذیبوں کے جلی عنوانات تھے، تہذیب مصر جو ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح معرض وجود میں آئی، اب اس کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں اور اس کے ملبے کے ڈھیر میں انسانیت تڑپ اور سسک رہی تھی اہرام مصر جو مصر کو دنیا بھر میں ممتاز کرتا ہے ایک لاکھ مزدوروں کی بیس سالہ محنت شاقہ کے نتیجے میں بنا، اور اس کا کوئی مقصد مصرف نہ تھا بجز شاہی جاہ و جلال اور شان و شکوہ کے اظہار کے، یہ ایک لاکھ انسان صرف پیاز اور لہسن کھا کر اس بیگار میں جتے رہے اور شاہی ظلم کی چکی میں پستے اور حاکمانہ ذوق کی تسکین کرتے رہے۔

ایران ایک آتش پرست ملک اور شاہ پسند خطہ تھا، دارا ایران کا ایک بڑا حوالہ ہے، اردشیر اور نوشیرواں بھی ایرانی بادشاہوں میں بڑے نامور اور معتبر شمار ہوتے ہیں، صدیوں تک ایران کا آتشکدہ روشن رہا جسے بالآخر حضرت عمرؓ کی توحید پرستی نے آکر بجھایا، اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا کہ عورت عمومی ملکیت سمجھی جاتی تھی، رشتوں کا تقدس نابود تھا، بہرام چوبیں نے اپنی بہن اور یزدگرد ثانی نے اپنی بیٹی سے شادی کی، مزدک اور مانی یہ ایران کے دو نامور مفکر گزرے ہیں لیکن ان کی فکر ایک دوسرے سے متضاد اور متخالف تھی، جس کی نذر ہزاروں انسان ہوئے اور خون کے فوارے چھوٹے، یونان بھی ایک بہت بڑا تہذیبی مرکز تھا، جہاں

Marfat.com

علی الاعلان بادشاہ کو خدا سمجھا اور اس کو پوجا جاتا تھا، یونان کا مفکر اور قانون دان بادشاہ سولن تھا اور یہی یونان کا دور عروج تھا یہ پانچ صدی قبل مسیح کی بات ہے، اسی خاک یونان سے سقراط، بقراط، ارسطو، افلاطون، فیثا غورث، زینو، ارشمیدس، اور دوسرے عالمی شہرت کے حامل مفکر، فلسفی، دانشور، طبیب اور حکیم اٹھے، مگر وہاں انسان کا حال بڑا قابل رحم اور اخلاقیات بہت پست تھیں، یونان کی کل آبادی ایک لاکھ تھی جب کہ غلاموں کی تعداد ایک لاکھ پینسٹھ ہزار (1,65,000) تھی، اور ارسطو کے نزدیک غلامی جائز تھی اور اہل یونان پیدائشی آقا اور غیر یونانی ازلی غلام تھے، ارسطو نے ایک جگہ لکھا ہے کہ عورت مرد سے اس لئے بھی کمتر ہے کہ مرد کے دانت زیادہ اور عورت کے کم ہوتے ہیں۔ روم میں بھی طبقاتی تقسیم عروج پر تھی، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ درجوں میں لوگ منقسم تھے اور جسٹینین جو بادشاہ بھی تھا اور مقنن بھی، اس نے باقاعدہ اپنے تحریری دستور میں ان تین طبقات کا ذکر کیا اور ان کے لئے الگ الگ قوانین مقرر کر لئے اور اس حساب سے جرائم اور سزاؤں کا نظام نافذ کیا PHILIPSON کے بقول رومیوں کا عقیدہ تھا کہ ''تمام کرہ ارض کے مالک رومن ہیں''۔

ہندی معاشرہ تو اور بھی پستیوں میں گرا ہوا تھا، ذات پات کا جو ظالمانہ، انسانیت کش، بے رحم، اور غیر فطری نظام جس قدر ہندوستان میں تھا اور آج بھی ہے انسانی تاریخ کے ماتھے پر اس سے بڑا، بدنما، بھیانک، مکروہ، دلآویز اور روح فرسا داغ اور کوئی نہیں، ستی کی رسم ہزاروں سال پہلے کی طرح آج بھی ہے یعنی خاندان کے مرنے پر عورت کو بھی جل مرنا چاہیے، ایک زمانے میں ہندوستان بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز اور بت گری کا سب سے بڑا گڑھ تھا، ہر گھر میں بیسیوں بت۔ بعض تاریخ کتابوں میں تیس کروڑ بتوں کا ذکر ملتا ہے جو ہند میں پائے جاتے تھے، انسان چار ذاتوں میں منقسم تھا، برہمن، کھشتری، ویش اور شودر، وید کے مطابق برہمن خدا کے سر سے کھشتری بازو سے ویش رانوں اور شودر پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں، برہمن حکمران قرار پائے، مذہبی و سیاسی قیادت و سیادت کے حامل و حقدار، کھشتری فوجی تھے، ویش تجارت اور زراعت پیشہ تھے اور شودر بچارے صرف نوکر، غلام، بندے اور مزدور، شودر کو نہ تو کسی دوسرے سے ہاتھ ملانے کا حق حاصل تھا نہ وید سننے

کی اجازت، کسی بڑی اور اونچی ذات سے تعلق رکھنے والے شخص سے وہ ہاتھ ملا لیتا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے اور وہ وید سن لیتا تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا جاتا اور وہ ہمیشہ کے لئے بہرہ ہو جاتا، معمولی سے معمولی جرم پر اس سے جسم پر تارکول مل کر اسے آگ لگا دی جاتی اور وہ تڑپ تڑپ کر مرتا اور کوئلہ بن جاتا، کسی اونچی ذات کے شخص کے ساتھ اس کا بیٹھنا ممنوع اور برہمن کے سامنے اور برابر بیٹھنا حرام تھا وہ اونچے لوگوں کے سامنے نہیں بلکہ پیچھے بیٹھتا تھا تا کہ اس کی ناپاک آنکھیں کسی پوتر برہمن کے چہرے پر نہ پڑیں، یہ تھا بعثت نبویؐ سے پہلے کا انسانی معاشرہ اور کرہ ارض کا نقشہ۔ اقبالؒ نے یہ نقشہ ایک جگہ بڑی ہنرمندی اور چابکدستی کے ساتھ کھینچا ہے جس کا مفہوم و مدعا کچھ اس طرح ہے "دنیا میں انسان دوسرے انسان کا بچاری بن چکا تھا، اور انسان سب سے زیادہ بے کس، مجبور، زیردست اور بے حقیقت تھا، سطوت کسریٰ اور شوکت قیصر انسان کے لئے راہزن بن چکی تھیں، ہزار طوق انسان کی گردن، اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں پڑے تھے، کاہن، برہمن، سلطان اور امیر مسلط تھے اور ایک شکار کے لئے بیسیوں شکاری گھات میں تھے، کلیساؤں اور مندروں میں اسقف، پادری، اور مہنت انسان کو پھنسانے کے لئے دام بچھا کر بیٹھے تھے، انسان کی فطرت غلامی کے باعث بہت حقیر اور پست ہو چکی تھی، اور اس کے نغمے بانسری سے نکلنے سے پہلے دم توڑ چکے تھے"۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک سراج منیر مبعوث فرمایا، زنجیر غلامی توڑنے کے لئے امام الاحرار بھیجا، انسان کو انسان کی بندگی سے بچانے کے لئے اپنا عبد خاص روانہ فرمایا اور انسانی ضابطوں کو پامال کرنے کے لئے صاحب قرآن کو تاج نبوت پہنا کر اتارا جس کے نتیجے میں صحرائے عرب لالہ زار بن گئے، آتشکدہ ایران ٹمٹمانے لگا، روم کے اکھاڑے ویران ہونے لگے، بتکدہ ہند خدا آشنا بننے لگا، اور یونان کی ساری عقلی حکومت الٰہی ہدایت کے سامنے ڈھیر ہو گئی، جن ملکوں کے لاکھوں غلاموں نے کبھی آزادی کی ایک کرن اور شعاع تک نہ دیکھی تھی، ان کے اوپر آزادی، عزت نفس، تحفظ ذات اور شرف انسانی کا ایک تابناک سورج طلوع ہوا، اور انسان اپنا آپ دیکھنے اور پہچاننے کے قابل ہو، اور نہ رہبان، احبار فریسی، ربی، پروہت، پیران کلسیا، مہنت، منتری، پادری، اور

Marfat.com

مجاورانسانیت کی گردن میں اس قدر پنجے گاڑ چکے تھے کہ انسان کا گوشت پوست تو الگ ہو جاتا مگر وہ ان سے آزاد کبھی نہ ہوتا۔

OOOO

Marfat.com

اطاعت واستقامت

غزوہ تبوک کے موقع پر جہاں ایثار واخلاص کے متعدد ایمان افروز مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں وہاں تاریخ میں اطاعت اور استقامت کے بھی بہت سے روح پرور مناظر نگاہ عشق و مستی کو اپنی طرف متوجہ اور دامن فکر وخیال کو اپنی جانب کھینچتے ہیں، غزوہ تبوک جس موقع پر برپا ہو رہا تھا وہاں کسی اہل ایمان کے لئے رخصت کی گنجائش نہیں تھی اور نہ ہی مال واسباب بچا کر رکھنے کی کوئی صورت، منافقین تو خیر حیلے بہانے کر کے گھر بیٹھ رہے مگر چند ایسے اصحاب بھی تھے جو مومن، مخلص اور وفادار تھے مگر وہ بھی کسی وجہ سے لشکر اسلام میں شامل ہونے سے رہ گئے اگر چہ ان کی نیت میں کوئی کھوٹ نہ تھا، نہ ارادے میں کوئی لغزش اور نہ حوصلے میں کمی، تاہم ایک گونہ سستی کا مظاہرہ ہوا، مگر ان لوگوں نے اپنی اس کوتاہی کا جس طرح ازالہ کیا، نظم وضبط کی جو اعلیٰ مثال قائم کی اور ایمانی استقامت کا جو شاندار مظاہرہ کیا وہ پوری اسلامی سوسائٹی کے مزاج کو واضح کرنے اور اہل ایمان کی کیفیات کو سامنے لانے کے حوالے سے بڑا اہم واقعہ ہے، جس کی جزئیات وتفصیلات تفسیر وحدیث اور سیرت وسوانح صحابہ کی کتابوں میں پوری طرح درج ہیں، ان تفصیلات کو پڑھتے ہوئے جگہ جگہ انسان چونک اٹھتا ہے، اس کا دل مچل جاتا ہے، اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور اس کا دماغ معطر ہو جاتا ہے، عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز زیست، نظام ترتیب اور صحابہ کرام کی پختگی، ایمان وکردار اور شان اطاعت ومحبت کا ایک ایک نقش صفحہ قلب ودماغ پر مرتسم ہوتا جاتا ہے، غزوہ تبوک میں شرکت سے محروم رہ جانے والوں میں تین ایسے اصحاب بھی تھے جن میں دو بدری صحابی تھے اور تیسرے غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شامل رہے، حضرت کعب بن مالکؓ حضرت بلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع۔

حضرت کعب بن مالکؓ بڑھاپے میں یہ واقعہ اپنے بیٹے عبداللہ کو سنایا کرتے تھے، خود

Marfat.com

بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے، غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی حسرت، بعدازاں طاری ہونے والی ندامت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی، صحابہ کرام اور تمام رفقاء واحباب کی بے رخی اپنے دل پر گزرنے والی قیامت اور پھر توبہ کی قبولیت کی تمام جزئیات حضرت کعبؓ کو از بر تھیں اور وہ پوری ترتیب اور تفصیل کے ساتھ یہ داستان بیان کرتے تھے، ولولہ خیز کیف انگیز داستان، حضرت کعبؓ کا بیان ہے

''غزوہ تبوک کی تیاری کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی مسلمانوں سے جنگ میں شریک ہونے کی اپیل کرتے تھے تو میں جانے کا ارادہ کرتا تھا مگر گھر آ کر ادھر ادھر کی مصروفیات گھیر لیتیں اور دل میں ہوتا کہ جلدی بھی کیا ہے ابھی بہت وقت پڑا ہے، جب جانا ہوا تو فوراً تیار ہو جاؤں گا، وقت گزرتے اور بات ٹالتے لشکر کوچ کر گیا، اور میں پھر بھی تیار نہ ہو سکا، پھر خیال آیا، چلو راستے میں لشکر سے جاملوں گا، لیکن کاہلی دامن گیر رہی اور وقت ہاتھ سے نکل گیا، تاہم یہ خلش رہی کہ پیچھے رہ جانے والوں میں یا تو منافق ہیں یا پھر معذور اور ضعیف لوگ، جب کہ میں منافق بھی نہ تھا اور کمزور اور معذور بھی نہیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو منافقین نے عذر و معذرت کا طومار باندھ کر اپنے آپ کو بے قصور ثابت کیا جب کہ حضورؐ کو علم تھا کہ ان میں سے نہ تو کسی کا عذر درست اور نہ معذرت سچی، یہ کوئی اسی افراد تھے، آپؐ نے ان کی ظاہری معذرت قبول فرمائی اور باطنی کیفیت خدا پر چھوڑ دی اور فرماتے گئے، خدا تمہیں معاف فرمائے، جب میری باری آئی تو آپ مسکرائے (مسکراہٹ میں طنز واضح تھی) اور فرمایا، آیئے، آپ کیوں پیچھے رہ گئے اور کیا رکاوٹ درپیش تھی؟ میں نے عرض کیا اگر میں اہل دنیا میں سے کسی کے روبرو پیش ہوتا تو ضرور حیلہ سازی کر کے اسے راضی کر لیتا۔ بات بنانا مجھے بھی آتا ہے مگر میں آپ کے متعلق یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر میں کوئی سخن سازی اور بہانہ تراشی کر کے آپ کو راضی بھی کر لیتا تو اللہ پھر آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا، اگر میں سب کچھ سچ بتا دوں تو آپ ناراض ہی کیوں نہ ہوں اور مجھے وقتی ندامت سے بھی دو چار کیوں نہ ہونا پڑے لیکن مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے معافی کی صورت پیدا فرما دے گا یا رسول اللہ! واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی شرعی عذر نہیں میں جانے پر پوری طرح قادر تھا، بس سستی اور نفس کی

Marfat.com

حیلہ جوئی نے میرا راستہ روکا اور منزل کو کھوٹا کیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس نے سچ کہا، اچھا اب تم جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے معاملے میں کوئی فیصلہ فرما دے میں اٹھا اور اپنے قبیلے میں جا بیٹھا، یہاں بھی لوگ مجھے ملامت کرنے لگے کہ تم نے کوئی جھوٹ سچ کا عذر پیش کر کے جان کیوں نہیں چھڑا لی؟ یہ باتیں سن کر میں بھی للچایا اب میرے نفس نے مجھے ابھارا کہ بات تو ٹھیک ہے، دوبارہ حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر کوئی عذر تراش دوں، تا کہ معاملہ ابھی سے رفع دفع ہو جائے مگر یہ سن اور سوچ کر اس ارادے سے باز آ گیا، کہ دو اور نیک نفس اور پاک باز لوگوں (حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع) نے بھی میری طرح سچ بولا ہے تو مجھے ایک گونہ اطمینان ہو گیا اور میں اپنے پہلے والے بیان اور سچائی پر جما رہا اس کے بعد نبی کریمؐ نے تمام لوگوں کو حکم دے دیا کہ کوئی بھی ہم تینوں سے نہ سلام لے اور نہ کلام کرے وہ دونوں تو گھر بیٹھ گئے مگر میں بازار میں نکلتا، مسجد میں جاتا، باجماعت نماز پڑھتا مگر مجھ سے کوئی ہم کلام نہ ہوتا اور نہ ہی کسی جانب سے مجھے سلام کا جواب ملتا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سرزمین میرے لئے اجنبی اور میں اس کے لئے مسافر ہوں اور اس بستی میں میرا کوئی شناسا ہے ہی نہیں، مسجد نبوی میں نماز کے لئے جاتا تو حضورؐ سے آمنا سامنا ہوتا تو میں سلام پیش کرتا مگر میری آنکھیں جواب کے انتظار میں پتھرا جاتیں اور کان وعلیکم السلام سننے کو ترس جاتے، آپ اپنے ہونٹوں کو بالکل جنبش نہ دیتے، میں نماز میں نظر چرا کر حضورؐ کو کن انکھیوں سے دیکھتا، مگر میں جب تک نماز میں ہوتا تو آپ مجھے دیکھتے اور جب سلام پھیر چکتا تو آپ نگاہیں دوسری طرف پھیر لیتے، ایک دن میں تنہائی سے تنگ آ کر اپنے چچیرے بھائی ابو قتادہؓ کے ہاں گیا، اور ان کے باغ کی دیوار پر چڑھ کر انہیں سلام کیا، مگر میرے چچیرے بھائی اور بچپن کے دوست نے جواب دینا گوارا نہ کیا، میں چیخ اٹھا اور پوچھا، کیا میں خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت نہیں کرتا؟ وہ خاموش رہے پھر میں نے خدا کی قسم دے کر دوسری بار ان سے یہی سوال کیا، وہ پھر بھی خاموش رہے تیسری بار پھر پوچھا تو ابو قتادہؓ نے صرف اتنا کہا۔۔۔ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔۔۔ اس پر میری آنکھیں چھلک پڑیں، اور حسرت و یاس کے ساتھ دیوار سے نیچے اتر آیا انہی ایام میں ایک بار میں بازار سے گزر رہا تھا کہ شام کے نبطیوں میں

Marfat.com

سے ایک شخص مجھے ملا اور شاہ غسان کا ریشم میں لپٹا ہوا ایک خط مجھے دیا میں نے بڑی بے تابی سے کھول کر پڑھا تو اس میں درج تھا۔۔۔ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر ستم توڑ رکھا ہے تم کوئی گرے پڑے آدمی نہیں ہو اور نہ اس لائق کہ تمہیں نظر انداز اور ضائع کیا جائے ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہارے شایان شان تمہیں منصب و منزلت دیں گے۔۔۔

میں نے کہا یہ تو میرے ایمان کا سودا شروع ہو گیا، میں نے خود کو پہلے سے بھی زیادہ تکلیف میں مبتلا محسوس کیا، اور اسی وقت خط کو چولہے کی بھڑکتی آگ میں جھونک دیا کہ کہیں میرا عقیدہ و ایمان متزلزل نہ ہو جائے، اس صورتحال کو چالیس دن گزر گئے تھے کہ حضورؐ نے ایک آدمی کو اپنا یہ حکم دے کر بھیجا کہ اپنی بیوی سے بھی علیحدہ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا کیا طلاق دے دوں؟ اس نے کہا نہیں، صرف الگ رہو چنانچہ میں نے تعمیل حکم میں اپنی بیوی کو میکے جانے کا کہا اور انتظار کرنے کی تاکید کی، اب اس معاشرتی مقاطعہ اور میرے امتحان کو پچاس دن گزر گئے تھے میں نماز فجر کے بعد اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا رہا اور اپنے آپ کو کوس اور جان کو رو رہا تھا کہ دفعتہً کسی کی آواز میرے کانوں پر پڑی۔۔۔ مبارک ہو کعب مبارک ہو۔۔۔ میں یہ سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میرا سچ بولنا میرے کام آ گیا ہے اور اللہ کی جانب سے مجھے معافی کا پروانہ مل گیا ہے میں سجدے سے اٹھ کر سیدھا مسجد نبوی پہنچ گیا دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس خوشی سے دمک رہا ہے میں نے سلام عرض کیا تو فرمایا، کعب، تمہیں مبارک ہو یہ دن تمہاری زندگی کا بہترین اور سعید دن ہے، میں نے پوچھا یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی جانب سے؟ فرمایا خدا کی طرف سے، اور یہ آیات سنائیں، (ترجمہ)۔۔۔ اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا جب زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوصف ان پر تنگ ہو گئی تھی اور ان کی جانیں ان کے لئے وبال بن گئیں، اور انہیں بھی یقین ہو گیا کہ اللہ سے بچنے کے لئے اللہ کے دامن رحمت کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں، تو اللہ نے اپنی مہربانی سے ان پر توجہ کی تاکہ وہ اس کی طرف لوٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا متوجہ ہونے اور رحم کرنے والا ہے۔۔۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا توبہ کی قبولیت میں یہ بھی شامل ہے کہ میں اس خوشی میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں خرچ کر دوں؟ آپ نے فرمایا، کچھ اپنے پاس رہنے دو کہ

Marfat.com

یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

میں نے حسب الارشاد خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھ کر باقی سارا مال راہ خدا میں صدقہ کر دیا پھر میں نے اپنے رب سے یہ عہد باندھا کہ جس راست گوئی کے سبب اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول کی ہے میں اس پر تا حیات قائم رہوں گا چنانچہ آج تک میں نے کوئی بات اپنی طرف سے گھڑ کر یا خلاف واقعہ بیان نہیں کی اور خدا سے امید رکھتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی مجھے غلط بیانی سے بچا لے گا۔

یہ داستان اطاعت و استقامت یہیں پر ختم ہوئی، یہ روداد خود ان کی زبانی ہے جن پر قیامت کی گھڑیاں بیتیں اور ندامت و اذیت کی ساعتیں اتریں، مگر اہل ایمان کے لئے اس قصے میں کئی سبق پوشیدہ ہیں اور ایک ایک پہلو ایسا کہ جس پر فکری مراقبہ اور وجدانی اعتکاف کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام و ایمان کوئی اختیاری مضمون اور تفریحی موضوع نہیں جب چاہا پڑھ لیا اور جب چاہا بھلا دیا بلکہ اسلام و ایمان اپنے حاملین سے بڑی گہری سنجیدگی اور متانت کے طالب ہیں، نیکیوں کی بہت بڑی خرمن معمولی سی کوتاہی کی چنگاری سے خاکستر ہو سکتی ہے اگر تساہل و تغافل کو شعار بنا لیا جائے، حضرت کعب بن مالکؓ بڑے سچے مومن اور پکے مجاہد اور مخلص صحابی تھے مگر ایک لمحے کی غفلت نے انہیں پچاس روز کی ندامت اور اذیت میں مبتلا کر دیا دوسری بات یہ ہے کہ ایک مومن کی شان یہ ہے کہ حالات کیسے ہی ہوں اور گردوپیش خواہ کس طرح کا ہو، سچائی اور راستبازی کا دامن کسی صورت نہ چھوڑے کیوں کہ یہی وہ جوہر ہے جو بالآخر نکھرتا ہے اور ساری کوتاہیوں کا فدیہ بنتا ہے، اس لئے کہ مومن کا معاملہ صرف اہل دنیا سے نہیں ہوتا بلکہ اس خدا سے ہوتا ہے جو ہر بات سے آگاہ ہر حرکت سے باخبر اور ہر عمل سے واقف ہے حتیٰ کہ دل کے بھید اور دماغ کے وسوسے تک اس کے علم میں ہیں، تیسری بات یہ ہے کہ اسلام نے توبہ کا دروازہ ہر ساعت کھلا رکھا ہے اس کے ہاں گناہ آدمی سے چپک کر نہیں رہ جاتا بلکہ اظہار ندامت سے غلطی کا داغ ہمیشہ کے لئے دھل جاتا ہے اور توبہ کرنے والے کو نشان ملامت نہیں بلکہ آئندہ کے لئے صاحب عزت بنا دیتا ہے، بندہ غلطی کرے مگر اس پر اصرار نہ کرے اللہ کو غلطی پر اصرار کرنے والے نہیں بلکہ اقرار اور پھر ندامت کا اظہار کرنے والے لوگ پسند ہیں، کیوں کہ اللہ کی

ذات تواب بھی ہے اور رحیم بھی۔

چوتھی بات یہ ہے کہ حضورؐ کے تربیت یافتہ افراد اور معاشرہ کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے احکام کی اطاعت اور اپنے عقیدہ و ایمان پر استقامت سے جمے رہنے والے تھے، ان کے ہاں پسند اور ناپسند نفرت اور محبت، اپنائیت اور اجنبیت کا معیار اپنی ذات اور عادات نہیں بلکہ حکم خدا اور رسولؐ تھا وہ انہیں جس سے جڑنے کا کہتے اہل ایمان اس سے جڑ جاتے اور جن سے کٹنے کا کہتے ان سے کٹ جاتے، صحابہ کرام نے اپنی ذاتوں اور خواہشوں کو اللہ و رسولؐ کی مرضی کے تابع کر رکھا تھا بلکہ فنا کر دیا تھا۔

انہیں ہر لمحے اللہ کے حکم اور رسول اللہ کی جنبش لب کا انتظار رہتا تھا اور وہ اس کی تعمیل میں بڑے مستور تھے، ان کے ہاں دوستی دشمنی جاہلی عصبیتوں، قبائلی رنجشوں، اور نسلی نخوتوں پر استوار نہیں تھی بلکہ الحب فی اللہ والبغض للہ، ان کا پیمانہ محبت و عداوت تھا۔

پانچویں اور آخری بات اس واقعے پر سامنے آتی ہے، قائد اور پیروکار دونوں ذاتی و شخصی احساسات سے اپنے آپ کو بالاتر کر چکے تھے، جب تک خدا کی مرضی تھی کہ کعب سے بول چال بند رکھی جائے تو رسول اللہؐ آپ کے رفقاء نے اس کی تعمیل کی، اور کعب بن مالکؓ نے کوئی احتجاج نہ کیا اور جب معافی مل گئی، تو رسولؐ اور صحابہ کعب کو گلے لگانے کے لئے بے قرار تھے اور کعب بن مالکؓ دوسروں سے بغلگیر ہونے کو بے تاب، یہ بے نفسی کی روشن دلیل ہے۔

○○○○

اسلام اور عظمت بشر

اسلام نے ۔۔۔انسان۔۔۔کو محض ''حیوان ناطق'' اور ''دو پایہ جانور'' قرار نہیں دیا، بلکہ اسے اشرف المخلوقات کہا ہے اسے ارادہ واختیار کی قوت دے کر دیگر تمام مخلوقات سے افضل وممتاز کر دیا ہے، اس پر ''فجور'' اور ''تقویٰ'' کا شعور الہام کر کے اسے حیوانیت اور انسانیت کے فرق سے آگاہ کر دیا ہے، اور اسی انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اپنی طرف سے ایک سلسلہ نبوت ورسالت جاری فرما کر اس کے ساتھ رحمت وعنایت کا خصوصی معاملہ فرمایا ہے، اس کی تخلیق کو ''احسن تقویم'' قرار دیا ہے، ایک حدیث قدسی کے مطابق انسان کو ''سرالٰہی'' کہا گیا ہے، انسان بلاشبہ لیس دار گارے اور کھنکھناتی مٹی سے بنایا گیا، لیکن اس میں اللہ نے ''اپنی روح'' پھونک کر اسے خاص مقام سے نوازا ہے، خدا کی وہ امانت جسے آسمان، زمین اور پہاڑ نہ اٹھا سکے، اس کا حامل اور امین انسان کو بنایا گیا، نوری پیکروں کو ''آدم'' کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا گیا، اس سے بڑھ کر انسانی شرف کیا ہو سکتا ہے؟ نجانے کن اوہام وخرافات کے سبب انسان کو حقیر وکمتر سمجھ لیا گیا اور اسے خود اس کی اپنی ذات سے بیگانہ کرنے کی کوشش کی گئی، چنانچہ صدیوں تک لوگوں کے لئے یہ بات معمہ بنی رہی کہ خدا انسان سے کیسے ہمکلام ہو سکتا ہے؟ انسان پر وحی کیسے نازل ہو سکتی ہے؟ انسان کے پاس خدائی پیغام لے کر جبرئیلؑ کیسے اتر سکتا ہے؟ انسان نبوت ورسالت جیسے جلیل القدر اور عالی شان منصب پر کیسے فائز ہو سکتا ہے؟ قرآن مجید متعدد مقامات پر لوگوں کی اس حیرت اور ان کے استعجاب کی جھلکیاں دکھاتا ہے، نوح علیہ السلام نے اعلان نبوت کیا تو اوہام گزیدہ بول اٹھے ''ارے یہ شخص تو ہماری طرح انسان ہے جو تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

حالانکہ اگر خدا چاہتا تو فرشتوں کو اتارتا یہ انوکھی بات تو ہم نے اپنے آباء سے نہیں

Marfat.com

سنی‘‘ (المومنون 24) گویا لوگوں کے ذہن میں فرشتہ انسان سے افضل ہے، حالانکہ آدم مسجود ملائکہ ٹھہرا تھا، حضرت ہودؑ کو بھی اس اعتراض کا سامنا کرنا پڑا، سورۃ المومنون کی آیات نمبر 33,34 ہیں۔

’’یہ تو ایک بشر ہے جو تمہاری طرح کا ہے، تمہاری طرح کھاتا اور پیتا ہے، اگر تم نے انسان کی پیروی کی تو گھاٹے میں رہو گے‘‘

جناب موسیٰ و ہارونؑ کی نبوت کا انکار بھی اسی بنا پر کیا گیا، المومنون کی آیت نمبر 47 میں ہے۔

’’گویا آدمیت اور بشریت خود انسانوں کے لئے بہت بڑا طعنہ بن گئی تھی کہ منصب نبوت اور بشریت کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟

اسی صورتحال کا سامنا سید البشر، وجہ تکریم انسانیت اور سرچشمہ وقار آدمیت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا پڑا، جب اعلان نبوت پر یہ ردعمل سامنے آیا۔

’’یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے، اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیوں نہ اس پر فرشتہ اترا جو اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا؟ اس کے لئے کوئی خزانہ اتارا جاتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے لطف اندوز ہوتا‘‘؟ (الفرقان۔7,8)

اسلامی تعلیمات کے یہ چند نمونے ہیں جو شرف انسانی کو واضح کرتے ہیں، کہ وہ انسان ہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمایا، وہ انسان ہی ہے جس پر پیغام ہدایت اتارا گیا، اور وہ انسان ہی ہے جسے اللہ کا برگزیدہ بندہ بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔

یہ نسل آدم کے لئے کتنا بڑا فخر ہے کہ تمام انبیاء و رسل اسی سے تعلق رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ افضل ترین اور خاتم النبیین رسول بھی اسی نسل آدم کے نمائندہ ہیں۔

ناز کر اپنی قسمت پہ نوع بشر
مل گئے مصطفٰے اور کیا چاہیے،

OOOO

Marfat.com

ہوسِ زر

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ''متاع الغرور'' یعنی دھوکے کا اثاثہ اور اللہ کے رسول نے دنیا کو ''جیفہ'' یعنی مردار سے تعبیر کیا ہے اور اللہ و رسول کی تعبیر عقلاً بھی درست ہے اور عملاً بھی، اس لئے کہ ہوسِ زر میں مبتلا کوئی شخص آج تک غنی اور مطمئن نظر نہیں آیا زیادہ پانے زیادہ کمانے، زیادہ سمیٹنے اور زیادہ جوڑنے کی فکر طالب دنیا کو ہمیشہ بے چین اور مضطرب رکھتی ہے، زر و مال کی کوئی حد آج تک متعین نہیں ہو سکی اور نہ اس کا طالب کہیں جا کر رکتا ہے، ھل من مزید کا ایک جہنم ہے جس میں جتنا ایندھن ڈالتے جاؤ وہ بھڑکتا ہی جاتا ہے۔

حضورؐ نے طالب دنیا کو استسقاء کا مریض کہا ہے استسقاء وہ مرض ہے جس میں آدمی کو ہر وقت پیاس لگی رہتی ہے اور وہ برابر پانی پیتا رہتا ہے، مگر پیاس تو ختم نہیں ہوتی البتہ اس کا پیٹ پھول جاتا ہے اس کے باوجود وہ پیاسے کا پیاسا رہتا ہے، یہی حال زر و مال کے مریض کا ہوتا ہے ایک بنگلہ بننے پر اسے دوسرے کی فکر لگ جاتی ہے ایک گاڑی لینے کے بعد وہ دوسری کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے، ایک فیکٹری لگاتے ہی وہ دوسری کی دھن اپنے اوپر سوار کر لیتا ہے، کروڑ روپے ہاتھ آنے کے ساتھ ہی دوسرا کروڑ جمع کرنا شروع کر دیتا ہے، دنیا کا ننانوے نہ کبھی سو بنا ہے اور نہ کوئی آج تک اس چکر سے نکلا ہے۔

حضورؐ نے بجا فرمایا ہے کہ ابن آدم کو سونے کی ایک وادی مل جائے تو وہ دوسری وادی کی آرزو کرتا ہے مگر پھر بھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا ابن آدم کا پیٹ تو صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔

قرآن مجید میں اس نفسیات کے حامل شخص کے لئے بڑی بلیغ تلمیح آئی ہے کہ ایسا شخص کتے کی مانند ہے جب بھوکا ہو تو بھی زبان باہر نکالے رہتا ہے اور اس کا پیٹ بھر جائے تب بھی اس کی زبان باہر رہتی ہے اور وہ ہانپتا رہتا ہے، اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو دنیا کے کسی

Marfat.com

کونے سے اس کی تردید نہیں ہوگی کہ روئے زمین پر بسنے والے کسی طالب دنیا نے آج تک بہت کچھ ملنے کے باوجود یہ کہا ہو بس اب بہت کچھ مل گیا ہے خواہ وہ طلب زر و مال کی ہو یا جاہ و منصب کی، طالب دنیا چاہے لاولد اور دائم المریض کیوں نہ ہو اور اسے یقین ہو کہ میرا وارث بھی کوئی نہیں اور دم بھر کا بھروسہ بھی نہیں پھر بھی وہ چاہے گا کہ کچھ اور ہاتھ لگ جائے۔

زمانہ قبل مسیح کے طالب دنیا کی بھی یہی نفسیات تھی اور آج کے کسی بندہ درہم و دینار کی نفسیات بھی یہی ہے دنیا کو سراب بھی اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے پیچھے بھاگنے والا کبھی اس کو پا نہیں سکتا اور اس کی تلاش و جستجو میں وہ برابر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، پوری دنیا آج تک اپنے عاشق و طالب کے ہاتھ نہیں آئی اس لئے کسی کی طلب بھی آج تک پوری نہیں ہوئی، سکندر اعظم آدھی دنیا مغلوب و مفتوح کرنے کے بعد مطمئن ہو کر نہیں بلکہ باقی آدھی دنیا پانے کی حسرت لیے دنیا سے رخصت ہوا۔

مال کو قرآن مجید میں ایک جگہ ''فتنہ'' یعنی آزمائش کہا گیا ہے، واقعی یہ بہت بڑی آزمائش ہے جس سے بہت کم لوگ سرخرو ہو کر نکلتے ہیں، حصول زر و مال کا بے تحاشہ جذبہ انسان کو حریص بنا دیتا ہے، بے مروت کر دیتا ہے، سنگدل بنا دیتا ہے، مکاری اور عیاری سکھا دیتا ہے، شہوات و لذات میں غرق کر دیتا ہے اور ایسی ہی بے شمار اخلاقی خرابیوں میں مبتلا کر دیتا ہے، سچ فرمایا حضورؐ نے کہ دو بھوکے بھیڑیئے جنہیں بکریوں میں چھوڑ دیا جائے اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جس قدر حرص مال اور حب جاہ اس کے دین کو نقصان پہنچاتی ہے۔

لیکن یہی مال اگر دل میں جگہ نہ پکڑے فقط جیب تک رہے اور نیت یہ ہو کہ اسے اللہ کی راہ میں اور اس کے بندوں پر خرچ کیا جائے تو یہ آخرت کے لئے زاد راہ بن جاتا ہے اور اس کی طلب بذات خود ایک نیکی ہے۔

وہ مال اگر ادائے فرض کے لئے خرچ ہو، مخلوق خدا کی فلاح پر اٹھے، حقوق العباد پورے کرنے کے لئے صرف ہو، اور اس مال سے فلاح عامہ کے کام سرانجام پائیں اور اس مال کا مالک بقدر ضرورت و کفایت اس سے استفادہ کرے تو اس کا طلب کرنا، اور جمع کرنا وبال نہیں بلکہ حسن اعمال میں شامل ہے۔

Marfat.com

ہوس زر کسی صورت مستحسن نہیں اور یہ چیز انسان کو اس کے ہمسایوں، رشتہ داروں، دوستوں حتیٰ کہ خدا سے دور کر دیتی ہے اور انسان ہر دم مال بنانے، اسے گننے، جمع کرنے، بڑھانے، اور اسے بچانے میں لگا رہتا ہے۔ یہ ذہنیت انسان کو نہ دنیا کے قابل چھوڑتی ہے اور نہ دین کے لائق، ارشاد نبویؐ ہے ''ہر قوم کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے''۔

OOOO

Marfat.com

Marfat.com

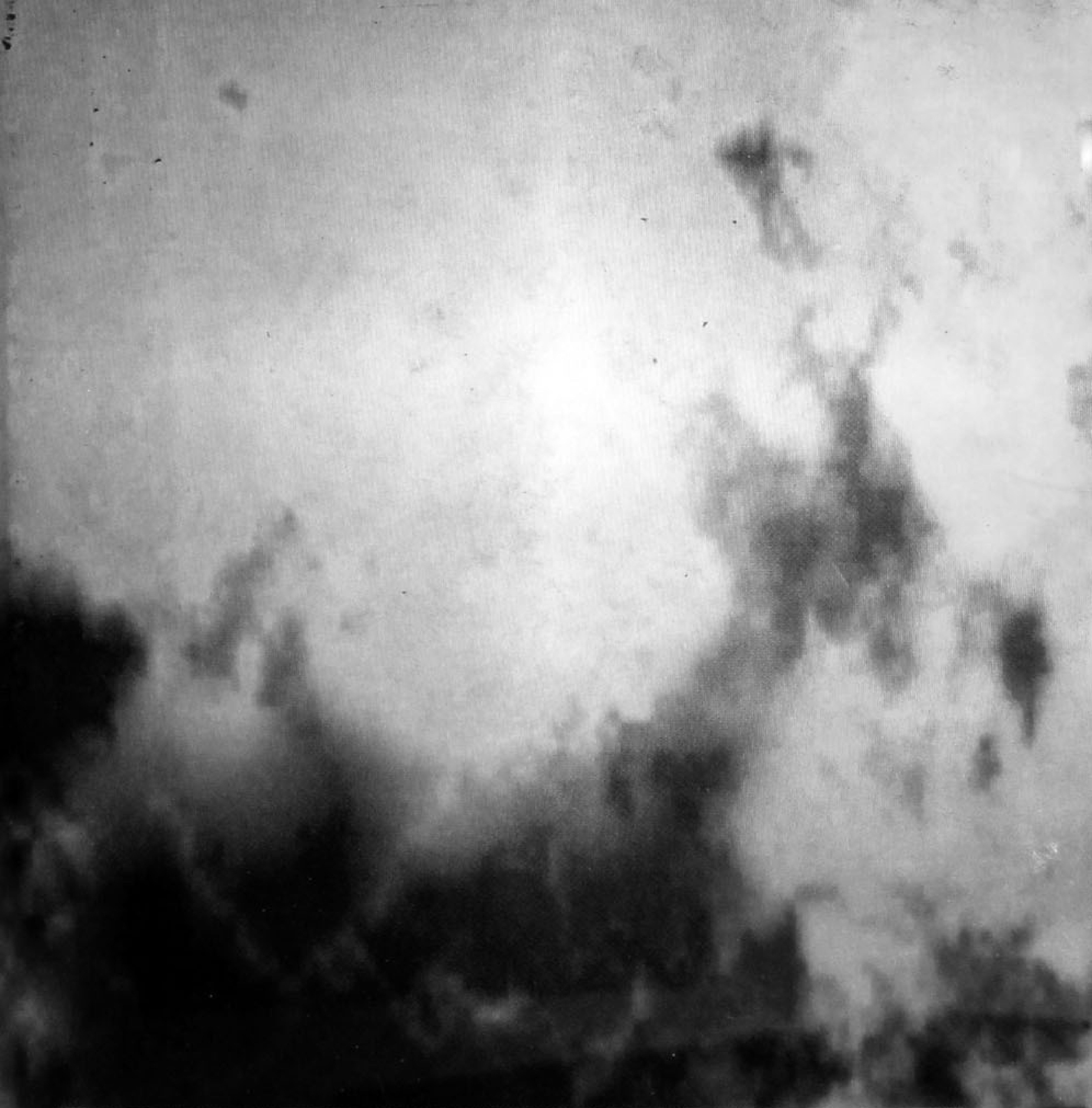

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کی دیگر تصانیف

- فکر امروز
- وحدت ملی
- روح تصوف
- اسلوب سیاست
- عصریات
- روح انقلاب
- فکر اسلامی
- [illegible]داشتہ

Marfat.com